انقلابی تحریریں

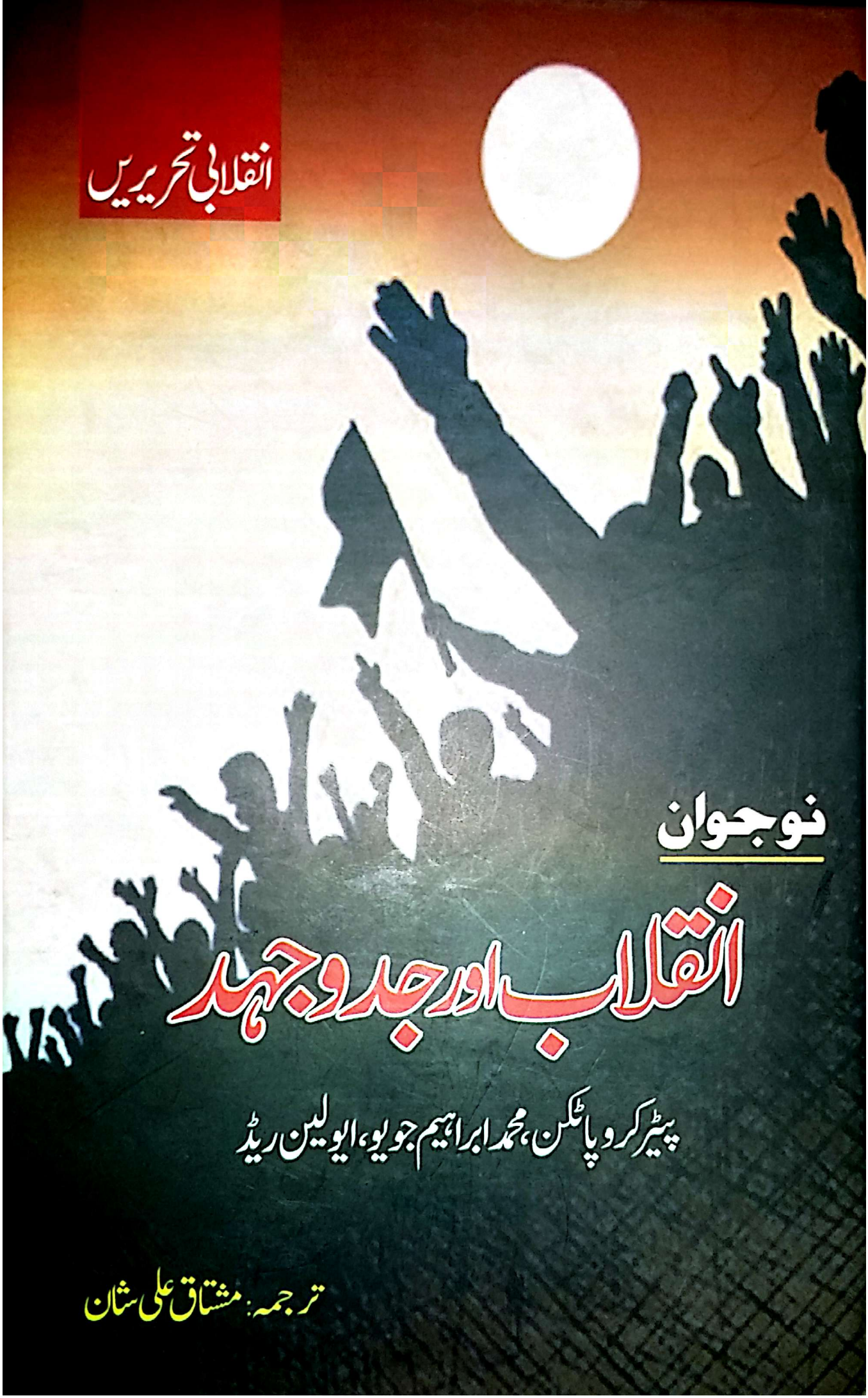

نوجوان

انقلاب اور جدوجہد

پیٹر کروپاٹکن، محمد ابراہیم جویو، ایولین ریڈ

ترجمہ: مشتاق علی شان

Scanned by CamScanner

نوجوان

انقلاب اور جدوجہد

(انقلابی تحریریں)

پیٹر کروپاٹکن، محمد ابراہیم جویو، ایولین ریڈ

ترجمہ: مشتاق علی شان

فکشن ہاؤس

لاہور ● حیدرآباد ● کراچی ●

Scanned by CamScanner

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب : نوجوان: انقلاب اور جدوجہد (انقلابی تحریریں)

مصنفین : پیٹر کروپاٹکن، محمد ابراہیم جویو، ایولین ریڈ

ترجمہ : مشتاق علی شان

اہتمام : ظہور احمد خاں

پبلشرز : فکشن ہاؤس لاہور

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

سرورق : ریاض ظہور

اشاعت : 2012ء

قیمت : -/160 روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، فون: 37237430-37249218-042

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 2780608-022

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدر آباد • کراچی

house2004@hotmail.com

Scanned by CamScanner

انتساب

خطے کے عظیم نوجوان انقلابی شہداء

کامریڈ بھگت سنگھ

(23 مارچ 1931ء سینٹرل جیل، لاہور)

کامریڈ میر داد

(22 فروری 1946ء جہازیوں کی بغاوت، بمبئی)

کامریڈ حسن ناصر

(13 نومبر 1960ء شاہی قلعہ، لاہور)

کامریڈ نذیر عباسی

(9 اگست 1981ء فوجی عقوبت خانہ، کراچی)

Scanned by CamScanner

ترتیب

☆ پیش لفظ		7
☆ نوجوانوں کی سَمت	پیٹر کروپالکن	9
☆ ارتقاء کا نیا جنم	محمد ابراہیم جویو	47
☆ عورت: جسمانی ساخت اور پسماندگی	ایولین ریڈ	67
انسان: ایک بے مثال جنس		69
عورت کو کمتر ثابت کرنے کی دلیل میں بچہ دانی کا نظریہ		73
نر حاکم: حقیقت یا افسانہ		77
شکار کا نظریہ اور عورت کی ذلت و کمتری		80
کیا عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے؟		83
محنت کی سماجی اور خاندانی تقسیم		91

Scanned by CamScanner

پیش لفظ

''نوجوان، جدوجہد اور انقلاب'' انقلابی تحریروں پر مشتمل ایک اہم کتاب ہے جو موجودہ سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کو سمجھنے اور اس میں کردار ادا کرنے کا رخ متعین کرتی ہے۔ اس کتاب میں موجود پہلی تحریر ''نوجوانوں کی سمت'' کے خالق پیٹر الیکسوچ کروپاٹکن ہیں۔ وہ بنیادی طور پر انقلابیوں کے انارکسٹ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور سماج کے استحصال پر مبنی سرمایہ دارنہ رشتوں کا شدید دشمن تھا۔ اس کے ہم عصروں میں روسی بالشویک انقلاب کے بانی کامریڈ لینن کے علاوہ آسکر وائلڈ بھی شامل تھا جو اسے اسکی ذاتی وصف کی بنیاد پر ''روس میں جنم لینے والا سفید مسیح'' قرار دیتا تھا۔ کروپاٹکن کی تحریروں میں ''نوجوانوں کی سمت'' اہمیت کی حامل سنجیدہ اور مختصر مگر نہایت پُر اثر تحریر ایک صدی سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی سماجی حالتوں سے مطابقت رکھتی ہے اور اس طرح کی تحریریں اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرح ہیں۔

دیگر دو اہم تحریریں محترم ابراہیم جویو صاحب اور ایولین ریڈ کی ہیں۔ محترم جویو صاحب کا شمار سندھ کے ان نامور ذہنوں میں ہوتا ہے جنھوں نے سماج میں پھیلے ہوئے جہالت کے جالوں کے خلاف مسلسل عقل و خرد کے چراغ روشن رکھے اور آج بھی پیرانہ سالی کے باوجود جہل کی قوتوں سے نبرد آزما ہیں۔ اس کتاب میں شامل ان

Scanned by CamScanner

کی تحریر ''ارتقاء کا نیا جنم'' ان اہم تحریروں میں سے ہے جس نے لاکھوں نوجوانوں کو حیاتیاتی وسماجی ارتقائی سائنس وسیاسی انداز میں توجیح کی بنیادیں فراہم کی اور آج بھی کر رہی ہے۔ خواتین کے بارے میں پھیلائے گئے سماجی تعصّبات پر ایولین ریڈ کی تحریر ''عورت، جسمانی ساخت اور پسماندگی'' موجودہ حالات میں ایک ایسی نادر تحریر ہے جسے پڑھنا ہر باشعور فرد کے لیے ضروری ہو جاتا ہے تاکہ دائیں بازو کے بڑھتے ہوئے صنفی حملوں کے خلاف بھرپور دفاع کیا جا سکے۔

کامریڈ مشتاق علی شان نے ان تین اہم تحریروں کا اس خوبصورتی سے ترجمہ کیا ہے کہ طبع زاد ہونے کا شائبہ گزرتا ہے۔ وہ اپنی اس کاوش کے لیے خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ ان کی گہری نظر نے ان تحریروں کی موجودہ حالات میں اہمیت کو بھانپ لیا۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہ کتاب نوجوانوں کی سوچ کو انقلابی رخ دینے میں مدد و معاون ثابت ہوگی۔

ناصر منصور

نومبر 2012ء کراچی

Scanned by CamScanner

نوجوانوں کی سَمت

پیٹر کروپاٹکن

آج میں نوجوانوں سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، بوڑھے لوگوں (میری مراد دل ودماغ کے بوڑھوں سے ہے) کو یہ تحریر پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اس کے پڑھنے سے انہیں سوائے اپنی آنکھوں کو تھکانے کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

فرض کرتے ہیں کہ آپکی عمر اس وقت اٹھارہ یا بیس سال ہے اور آپ اپنی طالبعلمی کی زندگی مکمل کر کے دنیاوی معاملات اور عملی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں، میں یہ بھی مانتا ہوں کہ آپ کے دماغ اندھے یقین سے آزاد ہیں۔ وہی اندھا یقین جسے آپ کے دماغ میں داخل کرنے کے لیے آپ کے بڑوں اور خود اساتذہ حضرات نے کافی محنت اور تگ ودو کی ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ جنت اور دوزخ کی باتوں سے نہیں ڈرتے اور مولویوں، پادریوں اور پنڈتوں کی فالتو باتوں کو بھی سُننا نہیں چاہتے۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اُن بناوٹی لوگوں کی طرح بھی نہیں ہیں جو محض اپنی اُجلی پوشاکوں، عجیب وغریب شکلوں اور خاص وضع قطع کو بعض خاص موقعوں پر فخر کے ساتھ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو کم عمری سے ہی کسی نہ کسی طریقے سے عیش وعشرت اور موج مستیاں کرنے کے لیے بے چین اور سرگرداں رہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

. لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ میں بہت سے دھرتی ماں کے ایسے قابل سپوت اور صالح فرزند بھی ہیں، جو زندگی کو اپنی طرف سے انسانیت کے فائدے کے پیش نظر با اُصول اور با کردار بناتے ہوئے کچھ سمجھنے، کچھ سیکھنے، کچھ دیکھنے اور کچھ کرنے کے لیے ہمیشہ بے چین رہتے ہیں۔

آپ کی اس بے چینی اور کسی مقصد کی تلاش میں کچھ کرنے کی تمنا کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں آپ کے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کے ایک دوست اور خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے مجھے آپ کے من میں ہونے والی اتھل پتھل کا بخوبی علم ہے۔ مجھے اس بات کا بھی سولہ آنے پتا ہے کہ بسا اوقات آپ کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ''ہمیں آگے جا کر کیا کرنا ہے؟'' آپ میں سے کم و بیش ہر کوئی من ہی من میں یہ ضرور سوچتا ہے کہ ''میں نے کافی عرصے تک سماج یا سوسائٹی کی مدد کی بنیاد پر جو علمی یا فنی تعلیم حاصل کی ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنی ان علمی یا فنی صلاحیتوں کو دوسرے لوگوں کو لوٹنے یا فقط ذاتی فوائد کے حصول کا ذریعہ بنالیا جائے۔'' میں سمجھتا ہوں کہ جو اپنی صلاحیتوں کو اس طرح اپنے ذاتی فوائد حاصل کرنے یا دوسروں کو لوٹنے کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہ اخلاق، انسانیت اور شرافت کا گلا گھونٹتا ہے۔ جس انسان کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ وقت آنے پر میں اپنے علم، عقل اور لیاقت کو ان لوگوں کے حقوق کے دفاع میں صرف کرونگا جو آج ہر قسم کی مصیبت اور جہالت میں مبتلا ہیں، تو ایسا شخص نہ صرف یہ کہ اپنے انسانی فرض سے غفلت برت رہا ہے بلکہ میں تو یہ بھی کہونگا کہ اس میں ذرہ برابر بھی انسانیت نہیں ہے اور اس کا وجود سراسر خود غرضی اور حیوانیت سے بھرا ہوا ہے۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آپ بھی ان لوگوں کی طرح ہیں، جو اس قسم کے سپنے دیکھتے رہتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟

ٹھیک ہے! اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اپنے ان سپنوں یا مستقبل کے خوابوں کو سچا اور

Scanned by CamScanner

درست ثابت کرنے کے لیے آپ کو کیا کرنا چاہیے؟

میں نہیں جانتا کہ آپ کونسے گھرانے یا خاندان میں پیدا ہوئے ہیں، ممکن ہے کہ آپ کسی خوشحال گھرانے یا خاندان کے فرد ہوں اور آپ کا نصب العین کسی اعلیٰ تعلیم کا حصول ہو، آپ کا ارادہ ڈاکٹر بننے کا ہو، یا پھر وکیل، لکھاری یا سائنسدان بننے کا خیال رکھتے ہوں، یعنی آپ جو کچھ بھی بننا یا کرنا چاہتے ہیں، آپ کے سامنے بہرحال کام کرنے کے لیے ایک وسیع میدان موجود ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اپنی اعلیٰ تعلیم اور تربیت یافتہ ذہن کے ساتھ زندگی کے میدان کارزار میں اتر رہے ہیں، لیکن آپ کی تعلیم چونکہ درسی کتابوں تک ہی محدود رہی ہے، اس لیے زندگی کے عملی پہلو سے آگاہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ انسانیت کے سب سے قیمتی عنصر یعنی مزدوروں اور کسانوں کی مصیبتوں بھری زندگی، ان کی کٹھن محنت، تنگ دستی اور خود کو برتر و اعلیٰ کہلوانے والے سماج کے ٹھیکہ داروں اور سرمایہ داروں کے بے جا مظالم اور ناانصافیوں اور سماج کی بے ہودہ بندشوں اور ناروا پابندیوں سے واقف ہوں۔ یہی ان خیالات کو قلم بند کرنے کا بنیادی مقصد ہے۔ فرض کرتے ہیں کہ آپ نے علم و سائنس کی اچھی طرح تعلیم حاصل کی ہے اور اب آپ ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔

صبح پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک غریب شخص آپ کے پاس آتا ہے اور آپ کو کسی بیمار عورت کو دکھانے کے لیے ایک ایسے محلے میں لے جاتا ہے جس کی گلیاں اتنی تنگ و تاریک ہیں کہ ان میں دو لوگوں کا ایک ساتھ گزرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ وہاں آپ کو ایک بدبودار جگہ پر ایک مدھم چراغ کی روشنی میں اوپر چڑھنا پڑتا ہے، آپ گندگی سے بھر پور، دو، چار زینے چڑھ کر جب اوپر پہنچتے ہیں تو وہاں ایک جھلنگا چارپائی پر ایک بیمار عورت کو دیکھتے ہیں، چارپائی کے ساتھ بچھی ہوئی ایک پرانی دری پر میلے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس کانپتے ہوئے زرد رنگ کے ناتواں اور گدلے بچے آنکھیں پھاڑے آپ کی جانب

Scanned by CamScanner

دیکھ رہے ہیں ۔ بیمار عورت کا شوہر ایک مزدور ہے جو عمر بھر کارخانے میں روزانہ بارہ، تیرہ گھنٹے کام کرتا رہا ہے اور اب تین ماہ سے بے روزگار ہے، لیکن نوکری سے جواب ملنا یا فارغ ہونا اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ سال میں اکثر و بیشتر اس کے ساتھ ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن اس سال وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ تکلیف میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے جب وہ بیمار ہوتا تھا اور اس کو نوکری سے جواب ملتا تھا تو اس کی بیوی کچھ محنت مشقت کر کے مشکلات کا سامنا کر لیتی تھی، شاید وہ آپ ہی کے گھر کے کپڑے اور برتن دھو تی رہی ہو ۔ اس طرح محنت مشقت کر کے وہ بچّوں کی پرورش کے لیے چار پیسے کما لیتی تھی، لیکن اس کی بیماری کے بعد سارا گھر اور چھوٹے بچّے عجیب مصیبت میں مبتلا ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب! یہ تو آپ یہاں پہنچتے ہی سمجھ گئے ہونگے کہ اس عورت کی بیماری کا سبب فقط جسمانی کمزوری، غیر متوازن خوراک اور صاف و تازہ ہوا کی کمی ہے ۔ براہِ مہربانی یہ بتائیں کہ آپ اس مریض کے لیے کونسا نسخہ تجویز کریں گے؟ کیا پینے کے لیے روزانہ ایک لیٹر دودھ؟ شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں ہوا خوری؟ کسی خشک، اچھی طرح ہوادار اور مناسب روشنی والے کمرے میں سونا؟ بے شک اچھی تجاویز ہیں، لیکن آپ کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اگر ایک غریب عورت کو یہ تمام سہولیات میسّر ہوتیں تو پھر وہ آپ کے مشورے سے پہلے ہی ان سے مستفید ہو رہی ہوتی ۔

اگر آپ میں واقعی انسانی جذبہ موجود ہے اور اگر آپ کھل کر کہنا چاہتے ہیں اور آپ کے چہرے سے ایمانداری مترشح ہے تو پھر آپ کو اس میں سے بہت سی باتوں کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے ۔ جس سے آپ کو پتا چلے گا کہ برابر والے کمرے میں جو عورت کھانس رہی ہے، جس کی دردناک آواز سُن کر آپ کانپ جاتے ہیں، وہ کپڑے دھونے والی ایک غریب عورت ہے ۔ نچلی منزل میں رہنے والے تمام بچے بخار کی تکلیف سے کراہ رہے ہیں ۔ سب سے نچلی منزل میں رہنے والی دھوبن، رواں موسم سرما کے آخر تک زندہ

Scanned by CamScanner

نہیں رہ سکتی اور برابر والی جگہ میں رہنے والے لوگوں کی حالت اس خاتون سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

ان تمام بیمار لوگوں کے لیے آپ کیا کریں گے؟ کیا ان کے لیے مقوی غذا، آب وہوا کی تبدیلی اور ہلکی پھلکی ورزش تجویز کریں گے؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ ضرور چاہیں گے کہ جیسے بھی بن پڑے آپ ان کو یہی مشورہ دیں، لیکن افسوس! کہ آپ خود میں اس کی ہمت ہی نہیں پاتے اور یوں آپ بھی دوسرے لوگوں کی طرح قسمت اور تقدیر کی بات کرتے ہوئے واپس آجاتے ہیں۔

دوسرے دن جب آپ اس جہنم جیسی جگہ پر رہنے والے بدقسمت لوگوں کے نصیب پر سوچ بچار کر رہے ہوتے ہیں تو آپ کا ساتھی آپ کو بتاتا ہے کہ کل اسے بُلانے کے لیے ایک ملازم آیا تھا جو اپنے ساتھ ایک شاندار گاڑی بھی لایا تھا۔ آج وہی شخص دوبارہ آیا اور اسے کسی شاندار محل میں رہنے والی ایک بیگم صاحبہ کی نبض دکھانے کے لیے لے گیا ،اُس پری پیکر خاتون کو بے خوابی کی بیماری تھی، اُس نے اپنی ساری زندگی ہار سنگھار، کھیل تماشوں، انواع اقسام کے کھانوں، دعوتیں اُڑانے اور اپنے بیوقوف شوہر کے ساتھ لڑنے جھگڑنے میں گزاری ہے۔ آپ اس کے لیے ممکنہ حد تک خراب عادتیں کم کرنا، سادہ اور ہلکی پھلکی غذاؤں کا استعمال، صاف اور تازہ ہوا میں چہل قدمی، مزاج کو ٹھنڈا رکھنے اور جسمانی مُشقّت نہ کرنے کی کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کے لیے اپنے کمرے کے اندر ہی ہلکی پھلکی ورزش کرنا وغیرہ تجویز کرتے ہیں۔

ایک اس لیے مر رہی ہے کہ اسے ساری زندگی نہ کبھی پورا کھانا ملا ہے اور نہ کبھی پورا آرام، اور دوسری اس لیے تکلیف میں ہے کہ اسے اپنی پوری زندگی میں آج تک یہ معلوم ہی نہیں ہوسکا ہے کہ محنت کرنا کسے کہتے ہیں؟

اگر آپ ان کمزور اخلاق کے حامل لوگوں کی طرح ہیں جو ہوا کا رخ دیکھ کر بدلتے

Scanned by CamScanner

ہیں، جونہایت خوفناک اور نازک حالتوں کے پیدا ہونے کے بعد فقط ایک ٹھنڈی آہ بھرنے یا شراب کا ایک گلاس پینے سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، تو پھر آہستہ آہستہ آپ کو ایسے دکھ بھرے مناظر دیکھنے کی عادت ہو جائے گی اور آپ میں بھی حیوانیت کا مادہ پیدا ہو جائے گا اور آپ کا مقصد بھی فقط عیش وعشرت کے دلدادہ لوگوں کے درمیان رہنا ٹھہرے گا، جسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ اس دلدل میں دھنس جانے کے بعد مصیبت زدہ لوگوں کی خبر گیری کے قابل نہیں رہیں گے، لیکن اگر آپ ''انسان'' ہیں اور اپنی دلی جذبات سے کوئی عملی کام لینے کی قوت رکھتے ہیں اور آپ کے حیوانی مادے نے آپ کے ضمیر کو دھوکہ نہیں دیا ہے تو پھر ایک دن آپ اپنے دل میں یہ کہتے ہوئے گھر کی جانب لوٹیں گے کہ ''نہیں یہ ظلم اور بے انصافی ہے، یہ حالت اس کے بعد زیادہ دیر تک قائم نہیں رہنی چاہیے، محض مرض کا علاج کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ ان اسباب کو روکنا ہوگا جن کے باعث مرض پیدا ہوتا ہے'' یہ حقیقت ہے کہ جب لوگوں کو روزگار و معاش کی سہولیات میسّر ہوں اور وہ کسی حد تک علم بھی حاصل کر سکیں تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں درپیش رنج و آلام اور امراض کی تعداد کا بڑا حصّہ گھٹ جائے گا اور دیگر بیماریاں بھی غائب ہو جائیں گی۔ حکمت کی موٹی موٹی کتابیں بھاڑ میں جائیں، صاف ہوا، متوازن غذا اور روزہ مرہ کی محنت ہی بنیادی چیزیں ہیں، اس کے علاوہ ڈاکٹروں کی تمام باتوں کی حقیقت، چالبازی اور دھوکہ بازی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

بس! جس دن یہ باتیں آپ کی سمجھ میں آ گئیں، اُس دن کہا جا سکتا ہے کہ آپ سوشلزم، سماجی فلاح و بہبود اور اشتراکیت کا مفہوم سمجھ گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ اس بارے میں مزید جستجو کرنے کی کوشش کریں گے۔

اگر آپ انسانی ہمدردی اور احساسات کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک بااصول فرد کی حیثیت سے سماج یا معاشرے کی موجودہ خامیوں پر غور کرنے

Scanned by CamScanner

کے بھی خواہشمند ہیں تو آخر ایک دن آپ کو سماجی فلاح و بہبود کے خواہشمندوں یا اشتراکیت پسند گروہ کے لوگوں کے ساتھ مل جانے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آئے گا اور آپ بھی ان کے ساتھ مل کر دنیا میں سماجی انقلاب لانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

لیکن شاید آپ کہیں کہ ''ہمیں اس قسم کی خودغرضی پر مبنی دُکانداری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ہم اپنا وقت میڈیکل اور کیمسٹری وغیرہ کے علم کی جستجو اور تحقیق میں صرف کر کے فقط علم اور سائنس کی ترقی کے خواہشمند ہیں'' نہ صرف اتنا بلکہ آپ یہ وعظ بھی کرنا شروع کر دیں گے کہ ''آخر کار ہمارے اس کام کا زبردست نتیجہ ظاہر ہوگا، اس بات سے قطع نظر کہ اس کا پھل ہماری موجودہ نسل کو ملتا ہے یا بعد میں آنے والی نسلوں کو'' وغیرہ۔ سب سے پہلے ہمیں یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ سائنس کی ترقی کا اصل مقصد کیا ہے اور اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا اس کا مقصد صرف اعلیٰ درجے کا وہ آرام و سکون حاصل کرنا ہے جو قدرت کی طاقتوں کو اپنی ہمت اور محنت سے تسخیر کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے؟ ایسی صورتحال میں آپ سے میں پوچھوں گا کہ جو انسان فقط اپنی زندگی عیش و آرام میں گزارنے کے لیے سائنس اور حکمت کی ترقی چاہتا ہے، اس میں اور اس شرابی میں کیا فرق ہے جو نشے میں ڈوب کر وقتی سکون اور لذت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لوگ پہلے اپنے ذاتی آرام و سکون کی شے کا نہایت قابلیت کے ساتھ انتخاب کرتے ہیں، کیونکہ شراب کے مقابلے میں اس سے زیادہ اور دیر تک رہنے والا ثمر آور سکون حاصل ہوتا ہے جبکہ شراب سے وقتی سکون کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ دونوں کے خواہشمندوں کے پیش نظر صرف خودغرضی اور فائدہ ہے اور دونوں کا مقصد بھی ایک جیسا، یعنی ذاتی سکھ اور لذت کا حصول ہے۔ یہاں شاید آپ دوبارہ کہیں گے کہ ہم اپنے فائدے کے لیے کام نہیں کر رہے بلکہ صرف سائنس کی ترقی اور بنی نوع انسان کی بہتری اور بھلائی ہی ہمارے پیش نظر ہے اور ہماری تحقیق و جستجو کا بھی یہی مقصد

Scanned by CamScanner

ہے۔

میں کہونگا کہ یہ بھی محض ایک خوبصورت بھرم ہے۔ہم میں سے جنھوں نے بھی شروع میں سائنس اور فلسفے کی تحقیق وجستجو کے کام کا آغاز کیا تھا تو انہوں نے بھی اسی قسم کے دعوے کئے تھے۔ابتدا میں ہم بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے۔

لیکن اگر آپ حقیقت میں بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہتری کا خیال رکھتے ہیں اور آپ کا مقصد انسانی سماج کی خدمت اور بھلائی ہے تو پھر آپ کے سامنے ایک مشکل سوال اٹھتا ہے۔آپ میں علم اور سائنس کے سوا کسی دوسری بات کا تخمینہ اور اندازہ لگانے کی صلاحیت چاہے کتنی ہی کم کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی آپ یہ بات ایکدم سمجھ سکتے ہیں کہ آجکل ہمارے سماج میں سائنس فقط ذاتی فوائد کے حصول کا ایک ذریعہ بنا ہوا ہے، جس میں کچھ لوگ اپنی زندگی کو مزید عیش وآرام سے بسر کرنے کے لیے دوسرے کروڑوں لوگوں کو ذلیل وخوار زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں۔

اس دنیا کی پیدائش کے بارے میں سائنس کو اپنا واضح فیصلہ کیے ہوئے ہے ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔(یہ تحریر انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں لکھی گئی ہے۔مترجم) لیکن کتنے لوگ ایسے ملیں گے جنھوں نے اس کے بارے میں پیش ہونے والے اُصولوں کی چھان بین کی ہوگی یا اس کے بارے میں کوئی اعلیٰ درجے کی خاص تعلیم یا مہارت حاصل کی ہوگی؟ ایسے لوگوں کی تعداد چند ہزار ہوگی لیکن وہ کروڑوں بدقسمت انسان جو ابھی تک مفلسی اور اندھے وشواس میں مبتلا ہیں اور اس کی وجہ سے وہ مذہبی ٹھگوں کے شکنجے میں آجاتے ہیں، ان میں سے ان اصولوں سے آگاہ ہونے والوں کی تعداد تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔

جب ہم اس سے ایک قدم آگے بڑھکر دیکھتے ہیں تو پھر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سائنس نے جسمانی اور اخلاقی صحت کے پھیلاؤ کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔سائنس نے ہمیں

Scanned by CamScanner

جو راستے دکھائے ہیں یا جو اُصول سکھائے ہیں وہ کتابوں میں ہی بند رہنے کی وجہ سے ہمارے لیے کیسے بیکار ثابت ہو چکے ہیں؟

ہر کوئی جانتا ہے کہ سائنسدانوں کی یہ تحقیقات، جن سے عام لوگ کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے، وہ محض فضول ہیں۔

اس کا سبب کیا ہے؟ یہی کہ سائنس کا فائدہ آجکل مٹھی بھر مراعات یافتہ افراد ہی اٹھا رہے ہیں۔ سماجی عدم مساوات کی وجہ سے آج بنی نوع انسان دو طبقوں میں تقسیم ہے، ایک محنت مشقت کرنے والا غلام اور دوسرا اس کا خون چوسنے والا سرمایہ دار۔ اس زبردست تفاوت کی وجہ سے ضمیر کی آواز کے مطابق بااصول زندگی گزارنے کا سارا وعظ ایک دل دکھانے والے مذاق کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

میں آپ کو اور بھی بہت سی مثالیں دیکر ایک حقیقت سمجھا سکتا ہوں، لیکن بات کو مزید طول دینا درست نہیں ہے، جب آپ اپنے تنگ کمرے (جس کے دریچوں پر دھول جم چکی ہے، اور جس میں رکھی کتابوں کی الماری تک کبھی سورج کی روشنی بھی نہیں پہنچی) سے باہر نکل کر چاروں طرف نظر دوڑاتے ہیں تو آپ کو قدم قدم پر اس نقطۂ نظر کی حمایت میں نت نئے ثبوت ملیں گے، جس سے یہ بات آپ پر مکمل طور پر عیاں ہو جائے گی۔

اس وقت ہمیں خواہ مخواہ سائنس کی زیادہ جستجو اور تشہیر کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے بلکہ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ سائنس نے اب تک جو ترقی کی ہے اور جو علم و تجربہ ہم حاصل کر سکیں ہیں، اس سے روزمرہ کی زندگی میں کام لینا چاہیے اور اس کا فائدہ ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں ایسا انتظام کرنا چاہیے کہ بنی نوع انسان علم اور سائنس کے درست طریقوں کو اچھی طرح دریافت کر کے اس سے استفادہ کر سکے۔ ایسا ہونے سے سائنس، محض عیش و عشرت کی ایک چیز نہیں رہے گی، بلکہ انسانی زندگی کا بنیادی سہارا ثابت ہوگی۔ یہی اصولی راستہ اور عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

Scanned by CamScanner

اس کے علاوہ خود سائنس کی تعمیر و ترقی کے نقطۂ نظر سے بھی یہ طریقہ درست اور ضروری ہے۔ سائنس کی صحیح معنوں میں ترقی اسی وقت ممکن ہوگی، جب عام لوگ اس کے اصولوں کا خیر مقدم اور استقبال کے لیے تیار ہونگے۔

مصنوعی طور پر حرارت پیدا کرنے کے اصول گزشتہ صدی میں دریافت ہو چکے تھے، لیکن 80 سال تک یہ اصول کتابوں میں بند رہے اور ان کا استعمال اسی وقت ممکن ہو سکا، جب عوام میں سائنس کا علم وسیع پیمانے پر پھیل چکا تھا۔ چارلس ڈارون نے ارتقا کا جو نظریہ دریافت کیا، وہ تین نسلوں کے بعد عالموں کے ذریعے تسلیم کیا گیا اور وہ بھی اس وقت جب ان پر عوام کا دباؤ پڑا۔ شاعر یا مصوّر کی طرح عالم، سائنسدان اور فلسفی کی ہستی کا وسیلہ بھی یہی سماج ہے جس میں وہ رہتا ہے اور اپنے اصولوں کی تشہیر کرتا ہے۔

لیکن جب اس قسم کے خیالات آپ کے من میں پیدا ہونگے تو پھر آپ سمجھ جائیں گے کہ انتہائی اہمیت کی حامل بات یہ ہے کہ ان موجودہ طور طریقوں میں بنیادی طور پر تبدیلی لائی جائے، جن کے ذریعے کچھ لوگ تو سائنس اور علمی ترقی کے حد سے زیادہ فوائد حاصل کرتے ہیں اور باقی دنیا اُسی حالت میں رہتی ہے، جس میں وہ پانچ، دس صدیاں پہلے تھی۔ یعنی موجودہ سرشتے یا تعلق کے سبب عوام کی اکثریت مشین کے پرزوں کی طرح بن کر رہ گئی ہے اور وہ درست اصولوں اور طریقوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

جس دن آپ اس گمبھیر اور وسیع علمی سچائی کو پوری طرح سمجھ جائیں گے، تب آپ موجودہ سائنس اور اس کے فوائد، جس پر چند لوگوں کا اجارہ ہے، سے ہرگز لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ آخر آپ ان تدابیر کے بارے میں سوچنے کی کوشش کریں گے، جن کے ذریعے انقلاب اور تبدیلی لائی جا سکے، اور اگر آپ نے یہ کوشش اسی سچائی، محنت اور لگن سے کی، جیسی اس سے قبل سائنس کی تحقیق اور جستجو کرتے وقت کی تھی، تو پھر اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آپ سوشلزم کے اصولوں کو قبول کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہو جائیں گے، بلکہ

Scanned by CamScanner

آپ سوشلزم پر بھروسہ کرتے ہوئے سماج وادیوں اور اشتراکیوں کے ساتھی اور شریک سفر بھی بن جائیں گے۔

تب ان مٹھی بھر لوگوں کے لیے، جن کے پاس آج بھی عیش و آرام اور ذاتی فوائد کے حصول کے کافی ذرائع موجود ہیں، ان کو مزید عیش و آرام میسّر کرنے کی بجائے آپ اپنے علم اور طاقت کو ان لوگوں کی خدمت میں صرف کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، جن پر ان مٹھی بھر لوگوں نے صدیوں سے ظلم و ستم روا رکھے ہیں۔

یقین کیجیے کہ جب آپ میں اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس پیدا ہوگا اور آپ کے فکر و عمل میں سچا اتحاد قائم ہو جائے گا، تب آپ کے اندر ایسی ہمت و طاقت پیدا ہو جائے گی جس کا آپ نے کبھی خواب میں بھی تصوّر نہیں کیا ہوگا۔ آخر ایک دن ایسا بھی آئے گا اور جلد ہی آئے گا، پھر چاہے ہمارے استاد اور تربیت کرنے والے اُس وقت تک زندہ بھی نہ رہیں، جب وہ انقلاب، جس کے لیے ہم اتنی کوشش کر رہے ہیں، اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوگا۔

اُس وقت سائنس اور اس سے حاصل کی گئی قوت اور فوائد پر کسی فرد واحد کی بجائے عوام کا قبضہ ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ محنت کشوں کی محنت کا پھل فقط بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور سائنس کی ترقی کے لیے ہی خرچ ہوگا اور سائنس اپنی تیز رفتاری سے اتنی ترقی کرے گی کہ اُس کے مقابلے میں موجودہ وقت کی تمام کوششیں بچّوں کے کھیل کی مانند معلوم ہونگی۔ اس وقت ہی آپ کو سائنس کا حقیقی لطف حاصل ہوگا، کیونکہ اس وقت سکھ، چین، خوشحالی اور سکون صرف آپ کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس میں عوام کا جمِ غفیر بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔

فرض کرتے ہیں کہ آپ نے قانون کا امتحان پاس کیا ہے اور اب آپ وکالت کا پیشہ اختیار کرنے والے ہیں۔ لازم ہے کہ آپ کے من میں اپنے مستقبل کے حوالے سے

Scanned by CamScanner

اس کے علاوہ خود سائنس کی تعمیر و ترقی کے نقطۂ نظر سے بھی یہ طریقہ درست اور ضروری ہے۔ سائنس کی صحیح معنوں میں ترقی اسی وقت ممکن ہوگی، جب عام لوگ اس کے اصولوں کا خیر مقدم اور استقبال کے لیے تیار ہونگے۔

مصنوعی طور پر حرارت پیدا کرنے کے اصول گزشتہ صدی میں دریافت ہو چکے تھے، لیکن 80 سال تک یہ اصول کتابوں میں بند رہے اور ان کا استعمال اسی وقت ممکن ہو سکا، جب عوام میں سائنس کا علم وسیع پیمانے پر پھیل چکا تھا۔ چارلس ڈارون نے ارتقا کا جو نظریہ دریافت کیا، وہ تین نسلوں کے بعد عالموں کے ذریعے تسلیم کیا گیا اور وہ بھی اس وقت جب ان پر عوام کا دباؤ پڑا۔ شاعر یا مصوّر کی طرح عالم، سائنسدان اور فلسفی کی ہستی کا وسیلہ بھی یہی سماج ہے جس میں وہ رہتا ہے اور اپنے اصولوں کی تشہیر کرتا ہے۔

لیکن جب اس قسم کے خیالات آپ کے من میں پیدا ہونگے تو پھر آپ سمجھ جائیں گے کہ انتہائی اہمیت کی حامل بات یہ ہے کہ ان موجودہ طور طریقوں میں بنیادی طور پر تبدیلی لائی جائے، جن کے ذریعے کچھ لوگ تو سائنس اور علمی ترقی کے حد سے زیادہ فوائد حاصل کرتے ہیں اور باقی دنیا اُسی حالت میں رہتی ہے، جس میں وہ پانچ، دس صدیاں پہلے تھی۔ یعنی موجودہ سرشتے یا تعلق کے سبب عوام کی اکثریت مشین کے پرزوں کی طرح بن کر رہ گئی ہے اور وہ درست اصولوں اور طریقوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

جس دن آپ اس گمبھیر اور وسیع علمی سچّائی کو پوری طرح سمجھ جائیں گے، تب آپ موجودہ سائنس اور اس کے فوائد، جس پر چند لوگوں کا اجارہ ہے، سے ہرگز لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ آخر آپ ان تدابیر کے بارے میں سوچنے کی کوشش کریں گے، جن کے ذریعے انقلاب اور تبدیلی لائی جا سکے، اور اگر آپ نے یہ کوشش اسی سچّائی، محنت اور لگن سے کی، جیسی اس سے قبل سائنس کی تحقیق اور جستجو کرتے وقت کی تھی، تو پھر اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آپ سوشلزم کے اصولوں کو قبول کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہو جائیں گے، بلکہ

Scanned by CamScanner

آپ سوشلزم پر بھروسہ کرتے ہوئے سماج وادیوں اور اشتراکیوں کے ساتھی اور شریک سفر بھی بن جائیں گے۔

تب ان مٹھی بھر لوگوں کے لیے، جن کے پاس آج بھی عیش و آرام اور ذاتی فوائد کے حصول کے کافی ذرائع موجود ہیں، ان کو مزید عیش و آرام میسّر کرنے کی بجائے آپ اپنے علم اور طاقت کو ان لوگوں کی خدمت میں صرف کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، جن پر ان مٹھی بھر لوگوں نے صدیوں سے ظلم و ستم روا رکھے ہیں۔

یقین کیجیے کہ جب آپ میں اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس پیدا ہوگا اور آپ کے فکر و عمل میں سچّا اتحاد قائم ہو جائے گا، تب آپ کے اندر ایسی ہمت و طاقت پیدا ہو جائے گی جس کا آپ نے کبھی خواب میں بھی تصوّر نہیں کیا ہوگا۔ آخر ایک دن ایسا بھی آئے گا اور جلد ہی آئے گا، پھر چاہے ہمارے استاد اور تربیت کرنے والے اُس وقت تک زندہ بھی نہ رہیں، جب وہ انقلاب، جس کے لیے ہم اتنی کوشش کر رہے ہیں، اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوگا۔

اُس وقت سائنس اور اس سے حاصل کی گئی قوت اور فوائد پر کسی فرد واحد کی بجائے عوام کا قبضہ ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ محنت کشوں کی محنت کا پھل فقط بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور سائنس کی ترقی کے لیے ہی خرچ ہوگا اور سائنس اپنی تیز رفتاری سے اتنی ترقی کرے گی کہ اُس کے مقابلے میں موجودہ وقت کی تمام کوششیں بچّوں کے کھیل کی مانند معلوم ہونگی۔ اس وقت ہی آپ کو سائنس کا حقیقی لطف حاصل ہوگا، کیونکہ اس وقت سکھ، چین، خوشحالی اور سکون صرف آپ کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس میں عوام کا جمِ غفیر بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔

فرض کرتے ہیں کہ آپ نے قانون کا امتحان پاس کیا ہے اور اب آپ وکالت کا پیشہ اختیار کرنے والے ہیں۔ لازم ہے کہ آپ کے من میں اپنے مستقبل کے حوالے سے

Scanned by CamScanner

مختلف قسم کے خیالات پیدا ہونگے۔ میں مانتا ہوں کہ آپ ایک اچھے اخلاق کے حامل شخص ہیں اور خدمت خلق کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ شاید آپ نے سوچا ہوگا کہ'' ساری زندگی بے انصافی اور استحصال کے مقابلے میں ہی گزار دیں گے اور عوام کے سامنے عدل اور انصاف کا عظیم آدرش پیش کرنے کی کوشش کریں گے، کیا کوئی دوسرا پیشہ اس سے بڑھکر اعلیٰ اور شرافت بھرا ہوسکتا ہے؟'' اس طرح آپ خود اپنے ہی پسند کئے ہوئے پیشے میں یقین رکھتے ہوئے زندگی کے میدان میں قدم بڑھاتے ہیں۔ بہت خوب! اب ہم عدالتی رپورٹس اور فائلوں کے صفحات پلٹ کر دیکھتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

ایک دن عدالت میں ایک متمول زمیندار آتا ہے، وہ ایک جھونپڑی میں رہنے والے کسان کو لگان نہ دینے کے سبب زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ قانون کی نظر میں اس مقدمے میں کسی بھی قسم کا ابہام یا سقم نہیں ہے، کیونکہ غریب کسان لگان نہیں دے سکتا تو قانون کے اصول کے مطابق اسے زمین سے دستبردار ہوجانا چاہیے، لیکن جب ہم اس معاملے کی مزید گہرائی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر ہمیں کچھ اور دکھائی دینے لگتا ہے۔ زمیندار ہمیشہ اپنی آمدنی کو ہر قسم کے عیش و آرام پر خرچ کرتا رہا ہے اور غریب کسان کو زندگی بھر سخت محنت و مشقت کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑا ہے۔ اگرچہ زمیندار نے اپنی زمین کی ترقی اور اسے بہتر بنانے کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی کوشش نہیں کی ہے، تب بھی پچاس سال میں اس کی زمین کی قیمت پہلے کی بہ نسبت تین گنا بڑھی ہے۔ زمین کی قیمت یا ویلیو بڑھنے کا سبب ایک نئی ریلوے لائن کا بننا، کسی بڑی سڑک کا وہاں سے گزرنا، دلدل کو سکھا کر اس کو خشک اور کاشت کے قابل زمین میں تبدیل کرنا یا غیر آباد زمین کو نئے سرے سے آباد کرنا وغیرہ ہے۔ لیکن جو کسان اس ترقی کا اصل سبب ہے، اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اور وہ برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ اب وہ ساہوکاروں کے شکنجے میں ہے اور گردن تک قرض میں ڈوبا ہوا ہے اور اب اس میں لگان دینے کی طاقت بھی نہیں رہی ہے۔ قانون ہمیشہ جائیداد کے

Scanned by CamScanner

مالکان اور رعب و دبدبے والوں کا ہی ساتھ دیتا ہے۔ اس کا مطلب صاف ظاہر ہے، اور اس کے مطابق دیکھا جائے تو پھر زمیندار انصاف پر ہے! لیکن ایک بات اور ہے اور وہ یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کے عدل و انصاف کا جذبہ ابھی قانونی قصوں اور بکھیڑوں میں بند ہو کر دم گھٹنے سے مر نہیں گیا ہے، تو مجھے بتائیں کہ آپ اس معاملے میں کیا کریں گے؟ کیا آپ یہ بات تسلیم کریں گے کہ اس کسان کو واقعی باہر نکال کر سڑک پر پھینک دینا چاہیے، کیونکہ یہ قانون کا تقاضا ہے؟

یا آپ اس بات پر زور دیں گے کہ زمیندار کو اپنی وہ آمدنی جو اس کی تمام ضروریات پوری ہونے کے بعد بچ جاتی ہے، کسان کے حوالے کر دینی چاہیے۔ جو اسی کی محنت کا ثمر ہے۔ انصاف کا فیصلہ تو یہی ہونا چاہیے۔ آپ کس کا ساتھ دیں گے؟ قانون کا؟ جو دراصل انصاف کا تقاضا ہے، یا انصاف کا، جو موجودہ انصاف کے خلاف ہے؟

یا اگر کسی کارخانے کے مالک کے خلاف مزدوروں نے بغیر کوئی نوٹس دیئے ہڑتال کر دی یا کام کرنے سے انکار کر دیا ہے، تو پھر مجھے بتائیں کہ آپ کس کا ساتھ دیں گے؟ ظاہر ہے کہ آپ قانون کا ساتھ دیں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کارخانے کے مالک کی پشت پناہی کریں گے، جس نے کسی بحران کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت زیادہ منافع کمایا ہے۔ یا آپ قانون کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہوئے ان مزدوروں کا ساتھ دیں گے، جن کو کبھی بھی یومیہ مناسب اجرت نہیں دی گئی اور جن کی بیویاں اور بچے کارخانہ داروں کی آنکھوں کے سامنے بھوک و افلاس کی وجہ سے سسک سسک کر جان دے چکے ہیں؟ کیا آپ جعلسازی سے بھرپور ان قوائد و قوانین کا ساتھ دیں گے، جو ضمیر کی آزادی کا خاتمہ کرتے ہیں اور ان دو فریقوں کے درمیان ہونے والے معاہدے کا سہارا لیتے ہیں، یا پھر آپ حق و صداقت اور عدل و انصاف کی حمایت کریں گے، جس سے آپ پر منکشف ہوگا کہ ایسا معاہدہ جو ایک خوب پیٹ بھرے اور ایک ایسے شخص کے درمیان ہوا ہے جسے اپنی زندگی

Scanned by CamScanner

بچانے کے لیے رات دن محنت کرنی پڑتی ہے، یا اگر معاہدہ یہ ایک طاقتور اور کمزور کے درمیان ہوا ہے تو پھر اسے معاہدہ کہا ہی نہیں جا سکتا۔

آیئے ایک اور مقدمہ دیکھتے ہیں۔ لندن یا کسی دوسرے بڑے شہر کے کسی بازار میں ایک شخص گھوم رہا ہے، تھوڑی دیر بعد وہ کسی قصائی کی دکان سے گوشت کا ایک پارچہ لیکر بھاگتے ہوئے پکڑا جاتا ہے۔ جب اس سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھا کاریگر ہے، لیکن بے روزگار ہونے کی وجہ سے چوری کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ چار دن سے اس کو اور اس کے بیوی بچوں کو روٹی کا ایک لقمہ بھی نصیب نہیں ہوا ہے۔ قصائی سے گزارش کی گئی کہ اس غریب پر رحم کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا جائے، لیکن قصائی اس سے انکار کرتے ہوئے انصاف کی دھائی دینا شروع کر دیتا ہے اور اس شخص کے خلاف مقدمہ درج کراتا ہے عدالت اس شخص کو چھ ماہ کی سزا سناتے ہوئے جیل بھیج دیتی ہے، کیونکہ قانون بنانے والے اندھوں نے ایسے ہی فیصلے لکھے ہیں۔ کیا اس وقت آپ کے من میں اس سماج کے خلاف نفرت پیدا نہیں ہوتی اور آپ کا ضمیر اس معاشرے کے خلاف بغاوت نہیں کرتا، جب آپ روزانہ ایسے بہت سے فیصلے اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں؟

یا آپ ایسے شخص کے خلاف قانونی کارروائی کو جائز سمجھتے ہیں، جس کی پرورش اور تربیت ہی غلط انداز سے ہوئی ہے اور جسے بچپن سے ہی غلط اور بُرے کام کرنے کی عادت ہے؟ جس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی ہمدردی کے دو بول نہیں سُنے ہیں اور آخر ایک دن اس نے صرف چند روپوں کی لالچ میں آ کر اپنے پڑوسی کا خون کر دیا ہے۔ کیا آپ چاہیں گے کہ اسے پھانسی کی سزا دی جائے یا اس سے بھی بڑھکر اسے عمر قید کی سزا دی جائے؟ کیونکہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ایک مجرم نہیں بلکہ دیوانہ شخص ہے اور اس کے جرم کی ذمہ داری ہر حال میں ہمارے پورے سماج پر عائد ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

کیا آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ کپڑا بُننے والے ان مزدوروں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے، جو انتہائی تنگ دستی اور مایوسی کے عالم میں فیکٹری کو آگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں؟ یا وہ شخص جو ایک جابر و ظالم حاکم کے بے پناہ مظالم کی وجہ سے اس پر گولی چلا دے، اسے عمر قید کی سزا دی جائے؟ یا وہ باغی جو مورچے میں بیٹھ کر اپنے وطن کی آزادی کا پرچم بلند کرتے ہیں انہیں گولی سے اڑا دینا چاہیے؟ نہیں! ہزار بار نہیں!

جب آپ ان باتوں کو دہرانے کی بجائے، جو آپ کو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی گئی ہیں، اپنی عقل سے کام لیں گے، جب آپ موجودہ قانون کا اچھی طرح تجزیہ کریں گے اور اس دھوکے بازی سے بھرے ہوئے قصے کہانیوں کو الگ پھینک دینے کی کوشش کریں گے جو قانون کی حقیقت کو ڈھانپنے کے لیے گھڑی گئی ہیں، تب آپ کو معلوم ہو گا کہ قانون کی حقیقت یہ ہے کہ طاقتوروں کے تسلیم شدہ حقوق کی تائید کی جائے۔ اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام مظالم اور جبر و تعدی کو انصاف پر مبنی اور درست ثابت کیا جائے جو صدیوں سے لیکر آج تک طاقتوروں نے کمزوروں کے اوپر روا رکھے ہیں۔ جب آپ قانون کے ان بیان کئے گئے حقائق سے اچھی طرح واقف ہونے کی کوشش کریں گے، تو پھر مجھے صد فیصد یقین ہے کہ ایسے قانون کے لیے آپ کے دل میں نفرت پیدا ہو گی اور آپ کو اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا کہ کتابوں میں لکھے ہوئے قوانین کا خادم بن جانے کے بعد آپ کو روزانہ بڑی حد تک اپنے ضمیر کے قانون کے خلاف عمل کرنا پڑے گا، لیکن اس قسم کی بے انصافی ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ آخر ایک دن آپ کو یا تو اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر مکمل دھوکے باز اور مکار بننا پڑے گا، یا پھر آپ کو لکیر کا فقیر بننے سے صاف طور پر انکار کرنا پڑے گا اور ہر قسم کی اقتصادی، سماجی اور سیاسی ناانصافی کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کے لیے ہمارے ساتھ ملکر کام کرنا پڑے گا۔ لیکن اس وقت آپ سوشلسٹ کہلائیں گے اور آپ کا شمار انقلابی لوگوں میں ہو گا۔

Scanned by CamScanner

آپ ایک نوجوان انجینئر ہیں اور صنعتی وفنی کاموں میں سائنس کے نت نئے طریقے اختیار کر کے ہنرمندوں اور محنت کشوں کی حالت کو بہتر بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ابھی آپ کو مایوسیوں اور صدمات سے گزرنا پڑے گا، لیکن وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب آپ کا یہ بھرم ٹوٹ جائے گا۔ آپ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک نئی ریلوے لائن تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو نہایت بلند و بالا مقامات سے گزرتے ہوئے اور اونچے اونچے پہاڑوں کا سینہ چیرتے ہوئے دو ایسے ممالک کو آپس میں ملاتی ہے جنھیں قدرت نے اس سے قبل ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا۔ لیکن جب کام شروع ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بڑی تعداد میں مزدوران تاریک سرنگوں کے اندر بھوک و بیماری کی وجہ سے مر رہے ہیں اور دوسرے بہت سے مزدور چند سکّے یا معمولی قیمت والی استعمال کی اجناس وغیرہ لیکر گھروں کی جانب لوٹ رہے ہیں۔

معمولی لالچ کی وجہ سے ریلوے لائن کی زمین کا چپّہ چپّہ انسانی لہو اور لاشوں کا نذرانہ دینے کے بعد تیار ہوتا ہے۔ مستقبل میں جب یہ ریلوے لائن تیار ہو جاتی ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کی تیار کردہ یہ لائن دوسرے ملک پر حملہ کرنے کے لیے توپوں، بموں اور فوج کی ترسیل کا ایک ذریعہ بن گئی ہے!

مثال کے طور پر آپ اپنی جوانی کا جوش اور ولولہ ایک ایسی ایجاد میں صرف کرتے ہیں جس کے ذریعے پیداوار جلد اور آسانی سے ہوگی۔ بہت کوششوں اور رتجگوں کے بعد آگے چل کر آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور جب آپ اس کو استعمال کرتے ہیں تو نتیجہ آپ کی توقع اور امیدوں سے کہیں بڑھکر نکلتا ہے۔ لیکن آپ کی اس نئی ایجاد کی وجہ سے دس، بیس ہزار مزدوروں کو کام سے فارغ کر دیا جاتا ہے اور کچھ چھوٹے بچّوں کو کام پر لگا دیا جاتا ہے جن کی حالت بھی مردہ مشینوں جیسی بنا دی جاتی ہے۔ دو چار یا دس بیس کارخانوں کے سرمایہ دار مالک کروڑوں روپے کما کر شاہانہ ٹھاٹ باٹھ اور عیش و عشرت میں

ان پیسوں کو اڑاتے ہیں۔ کیا آپ کی ایجاد کا یہی مقصد تھا؟؟؟

اسی طرح جب آپ آجکل کی صنعتی ترقی پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سلائی مشین کی ایجاد کے بعد سلائی کا کام کرنے والی غریب خواتین کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا ہے۔ سخت زمین میں سوراخ کرنے والی مشین کی ایجاد کے بعد بھی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو جوڑوں کے درد کی وجہ سے موت کے منہ میں جانا پڑتا ہے۔ جب آپ اس سماجی مسئلے پر اس طرح آزادانہ غور و فکر کریں گے جیسا کہ آپ اپنی نئی تحقیقات پر کرتے ہیں تو آپ ضرور اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جب تک دنیا میں ذاتی ملکیت اور مزدوری کا موجودہ طریقہ کار قائم ہے، اس وقت تک ہر نئی دریافت مزدوروں کی بھلائی کی بجائے ان کی غلامی کو اور بھی زیادہ مضبوط کرنے کا باعث بنتی ہے اور ان کے کام کی اہمیت کو کم کرتے ہوئے ان کی اقتصادی بدحالی کے اسباب پیدا کرتی ہے۔ موجودہ حالت میں فقط وہ لوگ ہی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جن کو ہر طرح کا سکھ و چین اور سہولیات میسّر ہیں۔

جب ایک مرتبہ آپ اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے تو پھر کیا کریں گے؟ یا تو آپ دھوکے بازی سے اپنے ضمیر کو چُپ کرانے کی کوشش کریں گے اور ایک دن اپنی جوانی کے سچے جذبوں اور ایمانداری کے خواب کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر فقط اپنے عیش و آرام کے طریقے ڈھونڈنے میں لگ جائیں گے۔ یوں آپ غریبوں کا استحصال کرنے والے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ کے دل میں ہمدردی کا جذبہ موجود ہے تو آپ ضرور یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ''نہیں یہ وقت مزید دریافتوں اور تحقیقات کرنے کا نہیں ہے بلکہ سب سے پہلے ہمیں پیداوار اور دولت کے موجودہ طریقوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب ذاتی ملکیت کے اصولوں کا خاتمہ ہو جائے گا اُس وقت انسانیت، ترقی سے بھرپور فائدہ اٹھا سکے گی اور یہ لاکھوں محنت کش جو آجکل مشینوں کے پرزوں کی طرح حرکت کر رہے ہیں صحیح معنوں میں باشعور انسان بن جائیں گے۔'' اور پھر آپ تعلیمی ترقی

Scanned by CamScanner

اور جسمانی محنت کی بدولت بنی نوع انسان کی اس بنیادی ضرورت یعنی صنعتی ترقی کو اپنی عقل اور ذہانت کی مدد سے اس بلندی پر پہنچا دیں گے، جس کا اس وقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

باقی رہ گئے اسکول کے ماسٹر صاحب، تو انہیں میں کیا کہوں! اس ماسٹر کو نہیں جو اپنے پیشے کو ایک قسم کی بیگار سمجھتا ہے بلکہ اس ماسٹر کو جو پھولوں کی مانند کھلتے ہوئے بچّوں کے درمیان بیٹھ کر ان کی محبت بھری نگاہوں اور دل کو موہ لینے والی مسکراہٹ سے خوش ہوتا ہے اور ان معصوم بچّوں کے نازک دلوں میں انسانیت کے ان آدرشوں کے بیج بونا چاہتا ہے جن کے خواب وہ اپنی نوجوانی کے زمانے میں دیکھا کرتا تھا۔

میں ہمیشہ آپ کو اداس دیکھتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ آپ کی پریشانی کا سبب کیا ہے؟ ان دنوں آپ کا ایک عزیز شاگرد جو لاطینی یا انگلش میں کمزور ہے لیکن بہت آزاد خیال اور کھلے ہوئے دل کا مالک ہے، وہ کسی حق کے شیدائی جوانمرد کی داستانِ شجاعت انتہائی جوش و جذبے سے پڑھ رہا تھا، اس وقت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس گھڑی وہ ظالموں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا۔

لیکن وہی طالبعلم جب گھر واپس آتا ہے تو اس کے ماں باپ اور چچا اسے اس بات پر سخت سست اور برا بھلا کہتے ہیں کہ اس نے گاؤں کے مولوی صاحب یا صوبیدار وغیرہ کو سلام نہیں کیا۔ وہ سب اسے دنیاداری اور افسرانِ بالا کی عزت و تکریم اور اپنے سے اعلیٰ درجے کے لوگوں کی تعظیم کرنے کے بارے میں اچھا خاصا طویل لیکچر سناتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ طالبعلم حق کے شیدائی بہادر سورمے کے کارناموں پر مشتمل کتاب کو آئندہ کے لیے خیرباد کہہ دیتا ہے اور ''روحانی ترقی کے طریقے'' نامی کتاب پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔

ابھی کل کی بات ہے آپ سے کسی نے کہا کہ آپ کے قابل اور ذہین شاگرد الٹا

Scanned by CamScanner

راستہ اختیار کر رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک افسر بننے کا خواب دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر رہا، یا کسی بڑے آدمی کا منظورِ نظر یا اس کے اشاروں پر چلنے والا بن کر غریبوں کو لوٹنا چاہتا ہے۔ آپ کے من میں ان نوجوانوں کے لیے کتنی امیدیں اور خواہشات تھیں۔ اب اپنے آدرشوں اور دنیا کی حقیقت کو دیکھ کر آپ پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

بے شک آپ کچھ عرصے تک پریشانی میں مبتلا رہیں گے مگر میں سمجھتا ہوں کہ سال دو سال بعد ایسا وقت بھی آئے گا جب بار ہا مایوس ہونے کے بعد آخر میں آپ اپنے آدرش کی کتابوں کو الماری میں بند کرتے ہوئے کہیں گے کہ بے شک حق کا شیدائی جوانمرد سورما ایک زبردست محبِّ وطن تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے عمل کی طاقت پر بھی یقین تھا۔ آپ یہ بھی سوچیں گے کہ آرام کے وقت شاعری بہت اچھی چیز ہے، خاص طور پر ایسی حالت میں جب ایک شخص سارا دن اسکول میں شاگردوں کے ساتھ مغز ماری کر کے تھک جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعر لوگ صرف تصور اور تخیل کی دنیا کے بادشاہ ہیں جو دور آسمان کے بادلوں میں اُڑتے پھرتے ہیں اور زندگی کے حقائق سے انہیں کوئی لینا دینا نہیں ہے اور اس سلسلے میں ان سے آپ کو کوئی مدد نہیں مل سکتی، اور نہ ہی انسپکٹر آف اسکول کے آنے کے موقع پر اس کے ذریعے آپ کو کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس یہ ہوگا کہ آپ کی جوانی کے خواب، پختہ عمری کے باعث مضبوط اور کامل یقین میں تبدیل ہو جائیں گے۔ آپ چاہیں گے کہ ہر انسان کو چاہے وہ اسکول میں پڑھتا ہو یا نہیں، وسیع پیمانے پر ایسی تربیت دی جائے جس سے حقیقت میں بنی نوع انسان کا بھلا ہو سکے، لیکن یہ دیکھ کر کہ موجودہ حالتوں میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے، آپ موجودہ بورژوا سماجی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

اس کے بعد جب آپ کے من میں آنے والی اس قسم کی تبدیلیوں کی خبر آپ کے

Scanned by CamScanner

افسرانِ بالا کو ہوگی تو آپ کو ملازمت سے فارغ کر دیا جائے گا۔ اب آپ کو اسکول چھوڑنے کے بعد ہماری طرف آنا ہوگا اور ہمارے ساتھ ملکر کام کرنا ہوگا۔ تب آپ دوسرے لوگوں کو جن کی لیاقت، بڑی عمر کے باوجود آپ سے کم ہے، یہ سمجھائیں گے کہ علم کیسی اعلیٰ شے ہے اور سماج کا درست نمونہ کیسا ہونا چاہیے اور یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ اشتراکیوں کے ساتھ ملکر موجودہ سماج کے طور طریقوں کو بنیاد سے تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے لیے ایسی کاوشوں کا آغاز کریں گے جن کے ذریعے ساری دنیا کے لیے اتحاد، سچے مساوات، حقیقی بھائی چارے اور ہمیشہ قائم رہنے والی آزادی کا حصول ممکن ہو سکے گا۔

آخر میں میں فنکاروں، مصوروں، سنگ تراشوں، شاعروں اور موسیقاروں وغیرہ سے پوچھتا ہوں کہ جو روشن آگ آپ کے بڑوں کے دلوں میں شعلہ زن تھی، وہ آج لوگوں کے دلوں میں نظر نہیں آتی ہے اور فن کے میدان میں بالکل کمتر درجے کی اشیاء کی کثرت دیکھی جارہی ہے؟ لیکن اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟

پرانے زمانے کی حالتوں کو نئے سرے سے دھرانے یا نئی دنیا کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے کی وجہ سے جو ذہنی مسرت حاصل ہوتی ہے، اس سے آزاد ہو کر قرون وسطیٰ کے طرز پر آرٹ اور مورتیاں وغیرہ تخلیق کی گئیں، لیکن آج کے زمانے میں اس طریقے کی عدم موجودگی اور اس کے ساتھ کسی انقلابی آدرش کا سامنے نا ہونے کی وجہ سے فن یا آرٹ میں کسی بھی قسم کی زندگی دیکھنے میں نہیں آرہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے موجودہ آرٹ کا مقصد محض نقالی کرنا رہ گیا ہے۔ ہم بہت محنت کرنے کے بعد پتوں پر گری ہوئی شبنم کے قطروں کی نقش گری کرتے ہیں اور گندی نالیوں کی دَم گھٹا دینے والی غلاظت یا کسی اعلیٰ درجے کی طوائف کی عشرت گاہ کی نہایت باریک بینی سے منظر کشی کرتے ہیں۔

آپ پوچھیں گے کہ جب یہ حالت ہے تو پھر کیا ہی کیا جا سکتا ہے؟ میرا جواب

Scanned by CamScanner

یہ ہے کہ آپ اپنے اندر جو روشن آگ دیکھتے ہو، وہ اگر دھواں پھیلانے والی ایک بتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو پھر آپ کو اسی طرح کام کرنا ہوگا جس طرح آج آپ کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ کا آرٹ یا فن جلد ہی زوال پذیر ہونا شروع ہو جائے گا اور وہ تاجروں کی دکانوں کو سجانے، تیسرے درجے کے تھیٹروں کے پردے تیار کرنے یا بچّوں کو بہلانے والی کہانیاں لکھنے کا ایک براہِ راست ذریعہ بن جائے گا۔ آج بھی آپ میں سے بہت سے لوگ اسی راہ پر چل رہے ہیں اور اس پر نہایت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

لیکن اگر آپ کو بنی نوع انسان سے کوئی ہمدردی ہے تو آپ کے دل کے تار ان کے دکھ سکھ کو محسوس کرنے لگتے ہیں، جب ایک سچے شاعر کی طرح آپ جیون سنگیت کو اچھی طرح سنتے ہیں تو پھر رنج و آلام کے اس گہرے سمندر کا نظارہ کرتے ہیں، جس کی خوفناک لہریں آپ کو چاروں طرف سے گھیر رہی ہیں، ان بے شمار لوگوں کو بھوک کے سبب اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھ کر، ان کانوں میں بھرے ہوئے مزدوروں کی دم گھٹانے والی محنت دیکھ کر، ان مورچوں میں بکھری ہوئی مسخ لاشوں کے ڈھیر دیکھ کر اور دور دراز مقامات پر خود کو گنوانے کے لیے جانے والوں کو دیکھ کر، اس مایوس کن جنگ کو دیکھ کر جس میں ہارے ہوئے لوگوں کے دکھ سے بھرپور نظارے اور فاتحین کے کھوکھلے قہقہے صاف سنائی دیتے ہیں اور بہادری کے مقابلے میں بزدلی اور مضبوط ارادے کے مقابلے میں چالبازی کے طریقوں کو دیکھتے ہوئے آپ زیادہ وقت تک غمگین اور اداس نہیں رہ سکتے۔ آپ آج نہیں تو کل ضرور آگے بڑھیں گے اور آخر کار مظلوموں کی جماعت کا پرچم بلند کریں گے، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ سچ ہمیشہ آزاد، فتح مند اور خوبصورت ہوتا ہے اور یہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو انسانیت اور انصاف کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

آخر میں آپ مجھ سے یہ ضرور پوچھیں گے کہ ''واہ بھئی کتنی عجیب بات ہے کہ اگر سائنسی تحقیقات کرنا اپنی دلی آرزو کو پورا کرنا ہے، اگر ڈاکٹر بننا لوگوں کو دھوکہ دینا ہے، اگر

Scanned by CamScanner

وکیل بننا یا کوئی اور قانونی پیشہ اختیار کرنا بے انصافی پھیلانا ہے، اگر مشینوں کی ترقی فقط لوگوں کو لوٹنے کا ذریعہ ہے، اگر صحیح اور درست تعلیم فراہم نہ کرنے کی وجہ سے اسکول بند کرنے کے قابل ہیں اور آرٹ وفن اپنے سامنے کوئی انقلابی آدرش نہ رکھنے کے سبب زوال پذیر ہے تو براہِ مہربانی یہ بتائیں کہ آخر ہم کریں بھی تو کیا کریں؟۔

ابھی کرنے کے لیے بڑا کام ہے۔ایک دل کو سکون اور اطمینان بخشنے والا کام، ایک ایسا کام جو واقعی آپ کے ضمیر کے مطابق ہے، ایک ایسا مقصد جو اعلیٰ سے اعلیٰ انسان اور زبردست صاحبِ نظر کے دل میں بھی جوش ولولہ اور امنگ پیدا کر سکتا ہے۔اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کام کیا ہے۔

آپ کے لیے صرف دو راستے کھلے ہیں، یا تو آپ ہمیشہ کے لیے اپنے اندر کی آواز یعنی ضمیر کی پکار کو دھوکے میں ڈال کر آخر میں یوں کہیں گے کہ ''جب تک میں یہ تمام عیش وعشرت مزے سے حاصل کر رہا ہوں اور جب تک عام لوگ اتنے بے وقوف ہیں کہ ہماری راہ میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہ ڈال سکیں، اُس وقت تک بنی نوع انسان اور اس کی آہ وبکا بھاڑ میں جائے'' لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر آپ سماج وادیوں کے ساتھ مل جائیں گے اور ان سے مل کر موجودہ سماج کو بنیادوں سے تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے۔اس وقت تک ہم نے جتنی بھی تحقیق کی ہے اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر فہم وفراست رکھنے والا انسان جو اپنے اطراف کی حالتوں کا اچھی طرح اندازہ لگاتا ہے اور جو فرسودہ بورژوا تعلیمات سے پیدا ہونے والے عقائد اور اس کی پیروی کرنے والے دوستوں رشتے داروں کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا وہ ضرور اسی دانشمندانہ نتیجے پر ہی پہنچے گا۔

جب ہم ایک بار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

اس کا جواب بہت آسان ہے۔اس ماحول یا سوسائٹی کی حالتوں سے باہر نکل

Scanned by CamScanner

آئیں جس میں آپ رہتے ہیں اور جس میں محنت کرنے والے مزدوروں اور کسانوں کو عام طور پر "جانور" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ عام لوگوں کے درمیان رہنا شروع کر دیں۔ آپ کا یہ سوال خود بخود حل ہو جائے گا۔

دنیا میں ہر جگہ انگلینڈ، فرانس، جرمنی، روس، اٹلی اور امریکا وغیرہ میں جہاں بھی ایک مراعات یافتہ اور ایک مظلوم طبقہ ہے، جہاں ظالم سرمایہ داروں اور بڑے بڑے کارخانوں داروں کی حکمرانی اپنی پوری طاقت میں ہے، وہاں آپ دیکھتے ہیں کہ غریب عوام اور محنت کشوں میں ایک زبردست ہلچل پیدا ہو رہی ہے۔ اس ہلچل کا مقصد سرمایہ داروں کی قائم کردہ غلامی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ اور عدل و انصاف اور برابری کی بنیاد پر ایک نئے سماج کی تعمیر کرنا ہے۔ اب عوام اپنی شکایتوں کا اظہار کرنے سے عوام کا کام نہیں چلے گا۔ اب صرف وہ دکھ بھرے گیت گانے سے ان کے اندر کی آگ سرد نہیں ہو سکتی جو پرانے زمانے میں ظالم بادشاہوں کے جبر و استبداد تلے دبے ہوئے کسان گایا کرتے تھے۔ اب لوگ اپنی محنت اور اس کی اجرت کو پوری طرح سمجھنے کے بعد ہی کام کرنا چاہتے ہیں، جبکہ ان کے راستے میں ابھی ایک دو نہیں بلکہ بے شمار رکاوٹیں موجود ہیں۔ اب وہ ہمیشہ اس بات پر غور و فکر کرتے ہیں کہ وہ کونسا راستہ اختیار کریں جس پر عمل پیرا ہو کر ہر انسان کی زندگی زیادہ بہتر اور سکھی ہو سکتی ہے۔ اب وہ موجودہ حالتوں سے مطمئن ہونے کی بجائے، جن میں بنی نوع انسان کا تین چوتھائی حصہ روز بروز ذلیل و خوار ہو رہا ہے، سماج کے پیچیدہ مسائل پر مسلسل غور و فکر کر رہے ہیں اور اپنی معمولی لیاقت اور دکھ سے بھرپور تجربات کے ذریعے انہیں حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اپنی طرح مصیبت میں مبتلا ساتھیوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے وہ جماعتیں اور گروپ بنا کر منظم ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ تنظیمیں بنا رہے ہیں جو تھوڑے بہت چندے سے بمشکل چل رہی ہیں۔ وہ دوسرے ممالک میں رہنے والے اپنے ہم پیشہ بھائیوں کے ساتھ برادرانہ تعلق قائم کرتے ہوئے اس دن کو

Scanned by CamScanner

قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں جب قوموں کے درمیان جنگیں ناممکن ہو جائیں گی۔ وہ شور مچانے اور زبانی طور پر ہمدردی جتانے والے ان بہتر اصلاحات کے لمبے چوڑے دعوے داروں کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ اس بات سے واقف ہونے کے لیے کہ ہمارے دوسرے بھائی کیا کر رہے ہیں اور ان سے اپنا تعلق بڑھانے، خیالات کا تبادلہ کرنے اور اسکا پرچار کرنے کے لیے وہ مزدوروں کے اخبارات نکال رہے ہیں، جن کی ترقی اور بڑھوتری کے لیے معلوم نہیں انہیں کون کون سی تکالیف اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ کیسی عجیب، اٹل اور محکم و بے باک جدوجہد ہے! کہیں بار تھکنے اور انجام شکنیوں کے سبب ظلم کا شکار بننے کے بعد بڑے بڑے کام کرنے والے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں جن کی جگہ پر دوسرے کام کرنے والوں کے لانے کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ کبھی بندوق اور توپ کے گولوں سے لیڈروں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور سارا انتظام نئے سرے سے کرنا پڑتا ہے۔ کبھی انتہائی ظلم وستم کی وجہ سے سارے کام کا صفایا ہو جاتا ہے اور پھر نئے طور اور نئی طاقت سے جدوجہد شروع کرنا پڑتی ہے۔ یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے کام کا نئے سرے سے آغاز کرنے میں بہت سی طاقت ضائع کرنا پڑتی ہے!

مزدوروں کے اخبارات ان لوگوں کے ذریعے چلائے جاتے ہیں جو کسی حد تک خود کو سستی اور غفلت سے آزاد کر کے تھوڑا بہت علم حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی حرکت اور جدوجہد کا سارا دارومدار غریب مزدوروں سے کوڑی کوڑی جمع کرنے والے اُن پیسوں پر ہوتا ہے جسے وہ زندگی کی بنیادی ضروریات کو تیاگ کر اور روکھی سوکھی روٹی پر گزارہ کر کے بچاتے ہیں۔ یہ سارے کام سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ ان کے سروں پر ہمیشہ یہ خطرہ بھی منڈلاتا رہتا ہے کہ اگر کسی وقت ان کے مالکان کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ ان کا کوئی مزدور یعنی ان کا غلام سماج کو تبدیل کرنے کا خواہشمند انقلابی بن گیا ہے تو اسی دن سے اس کے خاندان کو بھوک کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

Scanned by CamScanner

یہ وہ باتیں ہیں جن کا ہمیں اُس وقت مقابلہ کرنا پڑے گا جب ہم عوام کے ساتھ ملکر کام کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس ختم نہ ہونے والی جدوجہد میں غریب محنت کش سینکڑوں قسم کی مشکلات سہنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ''کہاں ہیں وہ نوجوان جنہوں نے ہمارے پیسوں سے تعلیم کی ہے؟ جن کے لیے ہم نے اس وقت اپنا سامان فروخت کر دیا تھا جب وہ طالبعلم تھے تا کہ ان کے تعلیمی اخراجات پورے کئے جا سکیں؟ جن کے لیے ہم نے اپنے جھکے ہوئے کاندھوں پر بوجھ اٹھایا اور خالی پیٹ رہ کر ان عالیشان جگہوں، اسکولوں، کالجوں اور عجائب گھروں کو تیار کیا تھا؟ جن کے لیے ہم نے اپنا خون سُکھا کر ان کتابوں کو چھاپا تھا جن کو ہم پڑھ بھی نہیں سکتے؟ کہاں ہیں وہ پروفیسر جو انسانی سماج کی جانکاری کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کی نظروں میں ہماری قیمت ایک پیسے جتنی بھی نہیں ہے؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو آزادی کا پرچار کرتے پھرتے ہیں جنہیں ہمارے جیسے بہت سے مزدوروں کو پیروں تلے روندھتا دیکھنے کے بعد بھی ہمارے جیسے ان بے شمار غریبوں پر ترس نہیں آتا؟ یہ شاعر، ادیب اور مصور سب ڈھونگ رچانے والے ہیں۔ ویسے تو یہ سب آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے غریبوں کی دردناک حالت بیان کرتے ہیں لیکن اسکے باوجود انہوں نے کبھی بھی اس جدوجہد میں ہماری کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کی ہے۔

ان تعلیم یافتہ کہلانے والے لوگوں میں بہت سے لوگ بزدلی اور کوتاہ ہمتی کی وجہ سے ہمیشہ عیش و آرام میں ہی رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ان غریب مزدوروں کو فسادی اور شر پسند کہہ کر ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر کسی وقت یہ محنت کش ان کے ضرورت سے زیادہ حاصل کردہ حقوق پر حملہ کرنا چاہیں تو یہ دولت اور طاقت کے مالک اپنی طرف سے ان کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ وقتاً فوقتاً کوئی نوجوان آگے آتا ہے جو اس انقلابی جنگ کے فوجی نقاروں اور مورچوں کے سپنے دیکھتا ہے جو سنسنی پھیلانے والے نظاروں اور جذباتی حالتوں

Scanned by CamScanner

کا متلاشی ہوتا ہے، لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ مورچوں کی طرف جانے والا یہ راستہ انتہائی طویل ہے اور وہ اس راستے میں جن پھولوں کی آرزو لیکر آیا ہے اس کے ساتھ تیز اور نوکیلے کانٹے بھی ہیں، تو ایسے وقت میں وہ عوام کے فائدے اور بھلائی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ خودغرض ہوتے ہیں جو اپنی ابتدائی کوششوں میں کامیاب ہوکر عوام کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب جب عوام ان کی ان خواہشات کو عمل میں لانے کی کوشش کرتے ہیں جن کا انھوں نے پہلے پرچار کیا ہوتا ہے تو اس وقت یہ ان کے شدید مخالف بن جاتے ہیں اور اگر بیچارے مزدوران کے احکامات کے بغیر آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو یہ لیڈر شاید ان کو گولی کا نشانہ بنانے سے بھی دریغ نہ کریں۔

نہ صرف اتنا بلکہ بہت سے لوگ اپنی بے وقوفی اور ناعاقبت اندیشی کے باعث عوام کی بے عزتی کرنے میں بھی بڑا پن اور فخر محسوس کرتے ہیں اور عام لوگوں کو بدنام کرکے اور انہیں بُرا بھلا کہہ کر اپنی بزدلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ عوام کی بہتری اور بھلائی کی جدوجہد کو یہ درمیانے طبقے کے سستی شہرت کے متلاشی، پڑھے لکھے نوجوان اسی قسم کی ''مدد'' فراہم کرتے ہیں۔

ایسا ہوتے ہوئے بھی آپ پوچھتے ہیں کہ ''ہم کیا کریں؟'' کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ وہ سارا کام جو ابھی کرنا ہے ویسے کا ویسے ہی پڑا ہوا ہے؟ عوام نے جو زبردست کام اپنے ہاتھوں میں لیا ہے وہ اتنا وسیع اور شاندار ہے کہ اس میں ہزاروں لاکھوں نوجوانوں کو اپنی جوانی کی پوری طاقت اور پوری عقل و لیاقت کو استعمال کرنے کے بعد بھی جتنا وہ چاہیں انہیں عوام کی خدمت کرنے کے نت نئے مواقع مل سکتے ہیں۔

پھر آخر کیا کیا جائے؟ سنو! اگر آپ سائنس اور تحقیق کے متوالے ہیں، اگر آپ سماج واد اشتراکیت کے اصولوں کو اچھی طرح قبول کر چکے ہیں اور انقلاب کا اصل مفہوم سمجھ چکے ہیں، جو اس وقت بھی ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے، تو کیا پھر آپ یہ نہیں سمجھ

Scanned by CamScanner

سکتے کہ سائنس کو نئے اصولوں کے مطابق بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی ہر شاخ کو دوبارہ سرسبز و شاداب کرنے کے لیے اس کے پرانے اور سوکھے ہوئے پتوں کو صاف کر دیا جائے؟ آپ کا فرض بنتا ہے کہ اس میدان میں آپ اس قدر انقلاب برپا کر دیں جتنا کہ گزشتہ سو سال کی سائنسی ترقی کے ذریعے بھی حاصل نہیں کیا جا سکا ہے۔ کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ آجکل کی تاریخی کتابیں صرف ان قصے کہانیوں کی کتابوں کی طرح ہیں جن میں بڑے بڑے بادشاہوں، بڑے بڑے شاہی درباروں اور پارلیمنٹ ہاوسز کے قصوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں رکھا ہے؟ اب تاریخ بھی نئے طریقے سے لکھی جانی چاہیے، جس میں یہ دکھایا جائے کہ بنی نوع انسان کی ترقی میں عوام کا کتنا حصہ ہے۔ اسی طرح علمِ اقتصادیات (ECONOMIC) جو آج کل فقط سرمایہ داروں کی لوٹ کی دولت کو پاک وصاف اور مقدس ثابت کرنے کا ایک ذریعہ ہے، اسے بھی نئی بنیادوں پر استوار کیا جانا چاہیے۔ اس کے اصول وضوابط کو عام فہم طریقے سے ظاہر کرنا چاہیے۔ نہ صرف اتنا بلکہ انسانی سماج سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل اور سوالات کو دوبارہ نئے ڈھنگ سے موجودہ زمانے کی ضروریات اور حالات کے مطابق اٹھانا چاہیے اور ان کی چھان بین کرنی چاہیے۔ علم اور سائنس کی مختلف شاخوں میں بھی ایک زبردست انقلاب کی ضرورت ہے۔

اسی وقت آپ کام شروع کر سکتے ہیں۔ ابھی سے ہی آپ کام کرنا شروع کر دیں اور اپنی لیاقت وصلاحیتوں کو اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے استعمال کریں۔ خاص طور پر اپنی ذہنی طاقت کے ذریعے موجودہ توہم پرستی اور اندھے وشواس کو دور کریں اور اپنی اعلیٰ قابلیت کے ذریعے ایک نئے سماج کی بنیاد رکھنے میں ہماری مدد کریں۔

نا صرف اتنا بلکہ ہمیں اپنے روزمرہ کے کام کاج میں بھی ہمت اور بہادری سے کام کرنے کی تربیت دیں جو علمی تحقیق کا ضروری جُز ہے۔ اس طرح آپ ہمیں یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ انسان حق وصداقت کے لیے کس طرح اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

اگر آپ ڈاکٹر ہیں اور آپ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر سماج واد کی صداقت کو محسوس کرتے ہیں تو پھر آپ کا فرض بنتا ہے کہ بنا کسی تاخیر کے ہم سے ہمیشہ یہ کہتے رہیں کہ اگر لوگوں کے رہن سہن کا طریقہ اور مزدوری کی موجودہ حالت اسی طرح قائم رہی تو پھر انسانی سماجی نہایت تیزی سے زوال کی طرف چلا جائے گا۔ آپ عوام کو یہ بات سمجھائیں کہ جب تک لوگوں کی پیدائش اور پرورش ایسی حالت میں ہوتی رہے گی جس میں تندرستی کے بچاؤ کے لیے سائنس اور تحقیق کا فائدہ بہت سے لوگوں کو نہیں مل سکے گا تو پھر ڈاکٹروں کی تمام ادویات اور ان کے علاج سے عوام کو کوئی خاص فیض حاصل نہیں ہوگا۔ لوگوں کو یہ یقین دلائیں کہ موجودہ سرشتہ ہی ہماری پریشانی اور دکھ کا سبب ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اسے بنیاد سے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ بھی بتایا جائے کہ یہ سرشتہ کس طرح مٹایا جا سکتا ہے۔

اپنے اوزار لیکر آئیں اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے ہمارے اس سماجی سرشتے (تعلقات) کو کاٹ کر پھینک دیں جو نہایت تیزی سے ایک ناسور کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ لوگوں کو بتائیں کہ عقلمندی سے زندگی گزارنے کا راستہ کونسا ہے اور اسے کس طرح اختیار کیا جا سکتا ہے؟ ایک ماہر جراح کی طرح اس بات پر زور دیں کہ مردہ اور ناکارہ حصے کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے ورنہ اس کا زہر پورے بدن میں پھیل جائے گا۔

اگر آپ نے مشینوں اور اس کے فن کا مطالعہ کیا ہے تو مہربانی کر کے میرے قریب آئیں اور مجھے بتائیں کہ آپ کی جستجو کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ جو لوگ آج تک مستقبل کی بہتری کا راستہ اپنانے سے گھبراتے ہیں انہیں یقین دلائیں کہ اس وقت تک انسان جو علم حاصل کر چکا ہے اس کے ذریعے بڑی بڑی تحقیقات کی جا سکتی ہیں۔ انہیں سمجھائیں کہ اگر ان موجودہ کارخانوں کا نظم و نسق انگلیوں پر گنے جانے والے سرمایہ داروں کی بجائے محنت کش عوام کے ہاتھوں میں ہو تو اس کے ثمرات حقیقت میں حیران کن ہونگے۔

Scanned by CamScanner

اگر سارے لوگ صرف بنی نوع انسان کی بہتری اور فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اشیاء پیدا کریں تو پیداوار آج کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھائی جاسکتی ہے۔

اگر آپ شاعر، مصور، مجسمہ ساز یا موسیقی کے ماہر ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے فرض کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہوئے اپنے فن کی اہمیت کو بھی محسوس کرتے ہیں تو پھر میرے پاس آئیں اور اپنے قلم، برش، ہتھوڑے اور بربط کو انقلاب کی راہ میں لگائیں۔ اپنی ولولہ انگیز تخلیقات، آرٹ اور فنکاری کے ذریعے ان بہادرانہ کارناموں کی نقش گری کریں جن میں مظلوم عوام، ظالموں کا مقابلہ کر رہی ہو۔ نوجوانوں کے دلوں میں انقلاب کی وہ آگ پیدا کر دیں جو ہم سے پہلے کے انقلابیوں کے دلوں میں موجود تھی۔ بیویوں کو یہ بات سمجھائیں کہ جو مرد یا شوہر اپنی زندگی بنی نوع انسان کی خدمت اور بھلائی میں صرف کر رہے ہیں، وہ ایسے انسان ہیں جن پر آنے والی نسلیں فخر کر سکیں گی۔ لوگوں کو اس بات کا یقین دلائیں کہ انقلاب کے بعد ان کی زندگی کس قدر شاندار ہو سکتی ہے، سماجی سرشتے کے سبب جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اور دنیا میں جو بے چینی پھیل رہی ہے اس سے بھی انہیں آگاہ کریں۔

آخر میں آپ سب لوگ، جن کے پاس علم و گفتار کی طاقت اور لیاقت یا محنت کی صلاحیت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دلوں میں ذرّہ برابر بھی ہمدردی موجود ہے تو آئیں، آپ خود بھی آئیں اور اپنے دوستوں کو بھی لیکر آئیں اور اپنی خدمات ان لوگوں کے لیے وقف کر دیں جنھیں آپ کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن اتنا یاد رکھیں کہ اگر آپ آتے ہیں تو مالک بنکر نہیں بلکہ ایک ساتھی، ایک دوست اور ایک کامریڈ بنکر آگے بڑھیں۔ آپ اس میدان میں حکومت کرنے نہیں آرہے بلکہ ایک نئی زندگی میں داخل ہونے یا ایک نئی طاقت حاصل کرنے کے لیے آرہے ہیں، جس کے ذریعے مستقبل میں آپ اور آپ کے لاکھوں کروڑوں بھائی زبردست ترقی اور کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ آپ کا کام صرف لوگوں کو

Scanned by CamScanner

پند و نصیحت کرنا نہیں ہے بلکہ آپ کا فرض عوام کی فطری خواہشات کو جانچنا، انہیں سمجھانا اور درست راہ پر لگانا ہے۔ یہ کام آپ کو بغیر کسی آرام یا جلد بازی کے، اپنے مکمل جوش و خروش اور زندگی بھر کے تجربے کو بروئے کار لا کر مکمل کرنا ہوگا۔ صرف ایسا کر کے ہی آپ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ایک اعلیٰ زندگی گزار سکتے ہیں۔ تب آپ دیکھیں گے کہ اس راہ میں آپ کی تمام کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔ جب ایک مرتبہ آپ کے عمل اور ارادوں کے درمیان اس قسم کا اتحاد قائم ہو جائے گا تو پھر آپ میں کام کرنے کی ایسی قوت پیدا ہو جائے گی جس کا اس وقت تک آپ نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا اور وہ قوت آپ کے اندر ابھی بیدار ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح آپ عام لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے سچ اور مساوات کی وحدت کو قائم کرنے کے لیے ایک مضبوط اور ناگزیر جدوجہد جاری رکھ سکیں گے، جس کے ذریعے آپ عوام کو اپنا دوست بنا سکتے ہیں۔

کسی بھی گھرانے کے نوجوان اس سے زیادہ اور کسی بھی اعلیٰ زندگی کی خواہش نہیں رکھ سکتے۔

میں آخر میں خود کو اعلیٰ درجے کے لوگ کہلوانے والے دولتمندوں سے بھی یہی کہونگا کہ اگر آپ سچ اور انصاف کے پجاری ہیں تو پھر آپ کی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپ کو بھی مجبور ہو کر سماج وادیوں کی طرف آنا پڑے گا، ان کے ساتھ ملکر کام کرنا پڑے گا اور ان کے ساتھ ملکر سماجی انقلاب کے لیے جدوجہد کرنی ہوگی۔ اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اصول کتنی سادگی اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔ لیکن اگر ہم کسی ایسے شخص کو یہ بات سمجھانا چاہیں جو سرمایہ داروں اور ان کے ایجنٹوں کی باتوں اور پروپیگنڈے کے زیرِ اثر ہے، تو پھر یہ ناگزیر ہے کہ ہم کو ایسا کرنے میں بہت سوں کے پول کھولنے ہونگے، بہت سے نوسر بازوں اور ڈھونگ رچانے والوں کے کارتوتوں سے پردہ اٹھانا ہوگا اور بہت سی خودغرضیوں کو مٹانا ہوگا۔

Scanned by CamScanner

اب میں غریب طبقے کے نوجوانوں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن اس دور میں اس بابت زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تک آپ میں ہمت اور سمجھ کا مادہ چاہے کم ہی کیوں نہ ہو لیکن حالات کے دباؤ کے نتیجے میں آپ کو خود بخود سماج وادی بننا پڑے گا۔

جو نوجوان غریب گھرانوں میں پیدا ہو کر اپنی طاقت کو سماج واد کی کامیابی کے لیے استعمال نہیں کرتے سو وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ انہیں مرض کے اصل علاج کا علم ہی نہیں ہے اور وہ محض اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں۔ کیا آپ کو وہ وقت یاد ہے جب ابھی آپ بچے تھے اور ایک دن سردی کے موسم میں اپنے چھوٹے سے آنگن میں کھیل رہے تھے؟ اس وقت آپ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں میں سردی سے کانپ رہے تھے اور آپ کے پھٹے ہوئے جوتوں میں مٹی بھری ہوئی تھی۔ اس وقت آپ نے کچھ موٹے تازے اور صحت مند بچوں کو صاف ستھرے اور اجلے کپڑوں میں سڑک سے گزرتے ہوئے دیکھا، آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ اگرچہ ان بچوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے ملبوسات زیب تن کئے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی عقل وفہم اور کام کرنے کی صلاحیت میں وہ آپ اور آپ کے دوسرے ساتھیوں سے بہت پیچھے ہیں۔ اس کے باوجود بھی آپ کو مجبوری کے باعث ایک گندے کارخانے میں بند ہو کر صبح چھ بجے سے رات آٹھ بجے تک مشینوں کے ساتھ مشین بن کر رہنا پڑتا ہے اور برسوں تک مشینوں کے شور وغل میں رہ کر خود کو ان مشینوں کی طرح گھسانا اور کمزور کرنا پڑتا ہے۔ اس دوران وہ صحت مند اور اجلی پوشاکوں والے بچے بغیر کسی فکر وفاقہ کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ دولت مند ساہوکاروں کے وہ سارے بچے جو درحقیقت عقل وفہم میں آپ سے بہت پیچھے تھے، لیکن انہیں آپ کے مقابلے میں تعلیم حاصل کرنے کے اچھے اور بہتر مواقع میسر تھے اس لیے وہ آج آپ کے مالک اور آقا ہیں اور یوں وہ زندگی کی تمام خواہشات یا تہذیب وشائستگی کے تمام ذرائع

Scanned by CamScanner

مزے لے لیکر استعمال کر رہے ہیں۔

لیکن آپ کا آج کل کیا حال ہے؟ جب آپ روزانہ کام سے واپس اپنے تنگ وتاریک اور سیم زدہ مکان میں آتے ہیں جہاں پانچ چھ لوگوں کو چند مربع فٹ کی تنگ جگہ میں جانوروں کی طرح رہنا پڑتا ہے۔ اسی کمرے میں آپ کی ماں بھی ہے جو ضعیف العمری کے باعث نہیں بلکہ بہت زیادہ پریشانیوں اور تفکرات کے باعث بوڑھی ہوگئی ہے اور وہ آپ کو بھی کھانے کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور ابلے ہوئے آلو دینے پر مجبور ہے۔ جبکہ دوسری طرف آپ کے سامنے ایک ہی سوال ہوتا ہے کہ ''میں دکان دار کو سودا سلف کے پیسے کہاں سے دونگا اور دوسرے دن مالکِ مکان کو کرائے کی رقم کہاں سے دونگا؟''

کیا آپ اسی قسم کے مصائب سے بھرپور زندگی گزارنا چاہتے ہیں، جو آپ کے ماں باپ گزشتہ تیس، چالیس سال سے گزار رہے ہیں؟ کیا آپ صرف دوسرے لوگوں کے جسمانی اور مالی فوائد اور ان کے عیش وآرام کے لیے ساری زندگی یوں ہی جانوروں کی طرح گزار دیں گے؟ اور وہ بھی صبح سے لیکر شام تک صرف اسی فکر میں غلطاں کہ صبح کھانے کے لیے روٹی کا لقمہ نصیب ہوگا یا نہیں؟ کیا کاہل اور نکمے لوگوں کو ہر قسم کے عیش وآرام کا سامان میسر ہوتا رہے اور آپ ان چیزوں سے ہمیشہ کے لیے محروم رہیں جن کے ذریعے زندگی سے لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے؟

آپ دن رات محنت کر کے خود کو جسمانی طور پر ناتواں اور کمزور کرتے ہیں اور اس کے عوض اگر تکلیف کی گھڑی آتی ہے تو کیا آپ دکھ اور مصائب جھیلنا قبول کریں گے؟ کیا آپ صرف اسی قسم کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں؟

شاید آپ اس کے لیے بھی تیار ہو جائیں! آپ کو اس وقت جس حالت میں رہنا پڑ رہا ہے اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ دیکھ کر شاید آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ'' جب ساری دنیا اس مصیبت میں مبتلا ہے اور جب ہم اس حالت سے باہر نکلنے کے لیے کچھ

Scanned by CamScanner

کر بھی نہیں سکتے، تو پھر ہمیں یہ مصائب برداشت کرنے چاہیے۔ اس حالت میں صرف یہی ممکن ہے کہ محنت کرتے رہیں اور جس طرح بھی ہو سکے زندہ رہنے کی کوشش کریں۔'' ٹھیک ہے! اگر آپ کا یہی خیال ہے تو پھر کسی دن زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ خود ہی آپ کی آنکھیں کھول دے گا۔

ایک دن ملک میں بحران آتا ہے۔ ایسا بحران نہیں جو اس سے قبل بھی آتا رہا ہے اور کچھ عرصے بعد ختم ہو جاتا ہے، بلکہ ایک ایسا بحران جو ہر قسم کی صنعت اور تجارت کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دیتا ہے، جو ہزاروں محنت کشوں کو مصائب سے دوچار کر دیتا ہے، جو سینکڑوں خاندانوں کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیتا ہے، آپ بھی دوسرے لوگوں کی مانند اس مصیبت کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں لیکن جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ آپ کے بیوی بچے اور دوست احباب آہستہ آہستہ بھوک کی آگ میں جلتے ہوئے آپ کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہے ہیں۔ صرف معقول خوراک، مناسب دیکھ بھال اور طبی امداد کی قلت کے باعث وہ اپنی زندگی شکستہ چارپائی پر ہار جاتے ہیں۔ لیکن مصیبت اور ابتلا کے اس دور میں بھی دولتمند لوگ بڑے بڑے شہروں کی شاندار سڑکوں اور عالی شان محلوں میں زندگی کے مزے اڑاتے نظر آتے ہیں اور وہ ان بھوک سے مرنے والوں کا بھول کر بھی خیال نہیں کرتے۔ تب آپ کے سمجھ میں آئے گا کہ یہ سماج کس حد تک قابلِ نفرت ہے۔ اس کے بعد آپ بحران کے اصل وجوہات پر سوچ بچار کریں گے تو اس کے نتیجے میں آپ اس قابلِ مذمت حالت کی اصل وجہ سے بخوبی واقف ہو جائیں گے جس کے باعث لاکھوں لوگوں کو مٹھی بھر نکموں اور کاہلوں کے سفاکانہ لالچ کا شکار بننا پڑتا ہے اور ان کے رحم و کرم پر زندگی گزارنی پڑتی ہے۔

اس وقت آپ سمجھ جائیں گے کہ سوشلسٹوں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ موجودہ سماج کو اوپر سے لیکر نیچے تک مکمل طور پر تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلی عین ممکن

Scanned by CamScanner

ہے۔

اب ہم ان مذکورہ بالا باتوں کو چھوڑ کر آپ کی شخصی مثال پر سوچ بچار کرتے ہیں۔ ایک دن آپ کا مالک آپ کی روزانہ اجرت کو پہلے سے بھی گھٹانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح وہ آپ کے ذریعے اپنی تجوری میں پہلے سے بھی زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ اس بے انصافی کے خلاف لاکھ احتجاج کریں، لیکن وہ انتہائی رعونت سے آپ کو جواب دیتا ہے کہ ''اگر تم اس اجرت پر کام کرنے کو تیار نہیں ہو تو نکل جاؤ یہاں سے اور گھانس کھا کر گزارہ کرو''۔ تب آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ آپ کا مالک نہ صرف آپ کو جانوروں کی طرح ہانکنا چاہتا ہے بلکہ وہ آپ کو سچ مچ ایک کمتر درجے کا جانور ہی سمجھتا ہے۔ وہ آپ کو ملازمت کے ذریعے ہی اپنے استحصالی شکنجے میں رکھنے سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ آپ کو مکمل طور پر اپنا غلام بنا لے۔ اس وقت یا تو آپ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے انسانیت کے شرف اور وقار کے احساس کو خیر باد کہہ دیں گے اور بڑی سے بڑی ذلت برداشت کرتے ہوئے اپنی زندگی کے دن پورے کریں گے۔ یا پھر آپ کا خون کھولنے لگے گا اور آپ اپنی انتہائی ذلت کو دیکھتے ہوئے اس ظالم اور متکبر انسان کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ تب آپ کو ملازمت سے ہاتھ دھو کر راہوں کی خاک چھاننا ہوگی اور آخر آپ سمجھ جائیں گے کہ سوشلسٹوں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ''اس معاشی غلامی کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں'' اس وقت آپ سوشلسٹوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ شامل ہو کر ایسی کوششیں کریں گے جن کے ذریعے ہر قسم کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی غلامی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔

کسی دن آپ اس دلکش دوشیزہ کا قصہ سنیں گے جس کی سبک گامی، دلکش گفتگو اور شریفانہ رکھ رکھاؤ کے سبب آپ کے دل میں امنگیں جنم لیتی تھیں۔ وہ برسوں اپنے حالات تبدیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی لیکن آخر میں مایوس ہو کر کسی بڑے شہر کی طرف چل

Scanned by CamScanner

دی، اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس جیسی دوشیزہ کا گزر بسر کرنا آسان نہیں ہوگا۔ لیکن پھر بھی اسے یہ امید تھی کہ وہ محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ پال ہی لے گی۔ لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایک دولت مند نوجوان اس دوشیزہ کو میٹھی میٹھی باتوں کے ذریعے اپنے دام میں پھنسا کر اپنے گھر لے جاتا ہے اور کچھ عرصے بعد جب اس کی نفسانی خواہشات کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اسے دودھ کی مکھی کی طرح باہر نکال دیتا ہے۔ اب اس کے سر پر ایک بچے کا بار بھی تھا۔ وہ نہایت باہمت خاتون تھی لیکن مسلسل مصائب و آلام کا مقابلہ کرتے کرتے اس کے حواس جواب دے گئے اور اس کے بعد اس نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن ایک خیراتی اسپتال میں پہنچ کر پورے کیے۔

غریب بہنو! کیا ایسی حالتوں کو دیکھ کر آپ خاموش رہیں گی اور اس ذلت سے باہر نکلنے کا کوئی طریقہ تلاش نہیں کریں گی؟ جب آپ اپنے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے اس کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہیں اور اسے پیار کرتی ہیں تو کیا اس وقت آپ کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ اگر اس سماج کی موجودہ حالتوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو پھر آگے چل کر آپ کی گود میں پڑے ہوئے اس بچے کا کیا حشر ہوگا؟ کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا ہے کہ آپ کی معصوم بہنوں یا تمہاری اولاد کا آگے چل کر کیا حشر ہوگا؟ کیا آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے بچے بھی اسی طرح گھانس پھونس اور خودرو پودوں کی طرح پیدا ہو کر ختم ہو جائیں جس طرح آپ کے باپ دادا پیدا ہو کر ختم ہو گئے؟ کیا آپ کے مردوں کو ہمیشہ اس بات کی فکر رہے کہ صبح روٹی کہاں سے ملے گی؟ اور ان کے غم غلط کرنے کے لیے وائن شاپ کے سوا اور کوئی جگہ نہ رہے؟ کیا آپ کی یہی خواہش کہ آپ کے شوہر یا بیٹے ہمیشہ ان حرام خوروں کی چشمِ کرم کے محتاج رہیں جنھیں لاکھوں کروڑوں کی جائیداد اپنے بڑوں سے ورثے میں بغیر کسی محنت کے از خود ملی ہے، جس کے بل بوتے پر وہ انہیں ملازم رکھ کر خود کو زیادہ سے زیادہ سکھی رکھنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ وہ کسی دولت مند

Scanned by CamScanner

آدمی کے ہمیشہ کے لیے غلام رہیں، ان کی بندوقوں کا شکار ہوتے رہیں اور دوسروں کا مال ہڑپ کرنے والے سرمایہ داروں کے منافع کے لیے کھیتوں میں ہمیشہ کے لیے اپنی ہڈیوں اور خون کو کھاد کے طور پر استعمال کرتے رہیں۔

نہیں ہرگز نہیں! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کا خون کھولنے لگتا ہے، جب آپ دیکھتی ہیں کہ آپ کے شوہر بڑی امنگوں اور مضبوط ارادوں سے ہڑتال کرتے ہیں لیکن آخر میں ہاتھ جوڑ کر مغرور مالکان کی ناقابلِ قبول شرائط کو زراسی تکلیف کے مارے قبول کر لیتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ آپ ان بہادروں کو آدرش وادی اور بااصول سمجھتی ہیں جو آزادی کی حفاظت کی خاطر اپنے سروں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی ان بہنوں کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتی ہیں جنھوں نے ظالم حاکموں کے جبر و تعدی کا مقابلہ کرتے ہوئے غریب عوام پر روا رکھے جانے والے مظالم کا پورا پورا بدلہ لیا ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جب آپ دوسرے ممالک کی ان بہادر خواتین کے کارنامے پڑھتی ہیں، جنھوں نے انقلاب کے وقت گولیوں کی بوچھاڑ میں کھڑے ہو کر اپنے مردوں کی بہادری کے سبب زبردست حوصلہ افزائی کی تھی اور یوں اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیا تھا، تب آپ کا دل جوش وخروش اور امنگوں کے باعث مچلنے لگتا ہے۔

اس لیے اے غریب محنت کش نوجوانو، بھائیو اور بہنو، کسانو اور مزدورو، کاریگرو اور سپاہیو! یہ سمجھنے کے لیے کہ آپ کے حقوق کیا ہیں؟ آپ ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ آئیں اور اپنے دوسرے غریب اور محنت کش بھائیوں کے ساتھ مل کر اس عظیم انقلاب کی تیاری کی کوشش کریں جو غلامی کا نام ونشان مٹا دے گا اور از کار رفتہ دقیانوسی خیالات کو ختم کرتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک نئی خوشحال اور آزاد زندگی کا در وا کر دے گا۔ ایک ایسے انقلاب کے لیے جو پورے انسانی سماج کے درمیان حقیقی آزادی، مساوات اور برادری کی بنیاد رکھے گا۔ اس انقلاب کے لیے جو سب کو

کام کرنے پر مجبور کرے گا اور سب کو کام کرنے کے مواقع فراہم کرے گا، جس کے ذریعے انسان اپنی محنت کا پورا پورا پھل مکمل سکون سے حاصل کر سکے گا اور جس کے ذریعے انسان اپنی فطری طاقتوں کو اچھی طرح استعمال کر سکے گا۔ یوں سب کی زندگی ضمیر اور انسانیت کے عین مطابق ہوگی۔

کسی کو بھی یہ کہنے کا موقع نہ دیں کہ ہم تعداد میں کم ہیں، اس لیے ہم میں اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ پوری طرح اندازہ لگا کر دیکھیں کہ جو لوگ ان زیادتیوں کو برداشت کر رہے ہیں، ان کی تعداد کتنی ہے؟

ہم کسان جو دوسروں کے لیے محنت کرتے ہیں اور دولتمندوں کو بہترین اناج فراہم کر کے خود روکھی سوکھی پر گزارہ کرتے ہیں، ہم تعداد میں کم نہیں بلکہ کروڑوں ہیں۔ ہم مزدور جو ریشم اور کمخواب بُنتے ہیں لیکن اس کے عوض ہمارے جسموں پر پیوند لگے پھٹے پرانے کپڑے ہی ہیں۔ ہم بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ جب کارخانوں میں چھٹی کی گھنٹی بجتی ہے تو اس وقت ہم بڑے بڑے شہروں کی کشادہ سڑکوں پر سمندر کی لہروں کی مانند پھیل جاتے ہیں۔

ہم سپاہی، جو آفیسرز کے احکامات کے تحت ڈنڈے کے زور پر ہانکے جاتے ہیں اور ہمیشہ گولیوں کی زد پر رہتے ہیں، لیکن اس کے عوض انعام واکرام، تمغوں اور پینشنز کے حقدار صرف ہمارے آفیسرز ٹھہرتے ہیں۔ ہم سپاہی جن سے صرف اپنے ہی بھائیوں پر گولیاں برسانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں لیا جاتا، ہم اتنی تعداد میں تو ہیں کہ جس دن ان گرانڈیل آفیسرز کے سامنے (جو نہایت رعب سے ہم پر حکم چلاتے ہیں) سینہ تھان کر اور سر اٹھا کر کھڑے ہو جائیں تو ان کے چہرے بالکل زرد ہو جائیں گے اور ان پر لرزہ طاری ہو جائے گا۔

درحقیقت ہم تمام لوگ جو روزانہ ظلم سہتے ہیں اور دن رات ہماری جو تذلیل کی

Scanned by CamScanner

جاتی ہے، ہماری تعداد اتنی ہے کہ جس کا کوئی شمار ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس عظیم سمندر کی مانند ہیں جو ہر شے کو اپنے اندر سما سکتا ہے اور ہر چیز کو نگل سکتا ہے۔

جس دن ہم ان مندرجہ بالا باتوں پر عمل پیرا ہونے کا عزم و ارادہ کر لیں گے اسی دن اور اسی گھڑی انصاف قائم ہو جائے گا اور اس کے بعد دنیا کے تمام ظالم اور استحصالی خاک میں مل کر خاک ہو جائیں گے۔

Scanned by CamScanner

ارتقاء کا نیا جنم

محمد ابراہیم جویو

یہ 1987ء کے موسمِ گرما کی بات ہے، امریکی سپریم کورٹ کے اندر دو فریق ایک دوسرے کے مدِ مقابل تھے۔ ایک فریق پادری جبکہ دوسرا سائنسی سوچ کا حامل تھا۔ فریقین کے درمیان تنازع بھی عجیب نوعیت کا تھا، یعنی ارتقاء کا سائنسی نظریہ درست ہے یا تخلیق کا مذہبی نظریہ!

پادریوں کا ٹولہ جو خود کو تخلیقی یا ''فطری سائنس'' کا حامی کہہ رہا تھا اور اس بات کے حق میں تھا کہ ''آج سے چند ہزار سال پیشتر خدا نے یہ دھرتی تخلیق کی اور اس پر زندگی پیدا کی''۔ جبکہ دوسرا گروہ سائنسی سوچ کا حامل تھا اور ارتقاء پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ ''زمین، کائنات کے درجہ بدجہ وجود میں آنے کے سلسلے میں بنی ہے اور اس پر زندگی نے مزید ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔''

مقدمے کی کارروائی کے دوران فریقین نے اپنی اپنی بات کو درست اور سچ ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کیے۔ دونوں گروہوں کے دلائل سُننے کے بعد عدالتِ عالیہ نے دو کے مقابلے میں سات ووٹوں کی اکثریت سے ارتقاء کے حق میں فیصلہ دیا اور اسکے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ ''جن پبلک اسکولوں میں ارتقائی سائنس کا مضمون پڑھایا

Scanned by CamScanner

جاتا ہے وہاں تخلیق کا مذہبی نظریہ نہیں پڑھایا جائے اور جہاں ارتقائی سائنس نہیں پڑھائی جاتی وہاں اسکے پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔'' یعنی کائنات کے وجود میں آنے کے سلسلے میں مذہب اور سائنس کو قطعی طور پر الگ الگ کر دیا گیا۔ اس فیصلے پر ارتقاء کے حامیوں کی مسرت ایک فطری بات تھی۔ اس موقع پر Fossils (پتھرائے ہوئے اجسام اور پودے وغیرہ) کس علم رکھنے والے شہرۂ آفاق ماہر اسٹیفن جی گولڈ کا کہنا تھا کہ ''کھیل ختم ہو چکا ہے، میدان اب ہمارے ہاتھ میں ہے''۔ ایک دوسرے ماہر کا کہنا تھا کہ تخلیقات کے حامی اب اسکولوں میں اساتذہ کو ارتقاء کے ساتھ ساتھ تخلیق کے موضوع پر بحث کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔

تخلیقات کے حامیوں پر اس فیصلے کا کیا اثر ہوا؟ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

اُن کے فاضل وکیل نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''تخلیقات ابھی مری نہیں ہے۔ وہ ابھی زندہ ہے اور اسکی تدریس کے مواقع اب بھی اتنے ہی روشن ہیں جتنا کہ اس سے قبل تھے۔'' ایک دوسرے حامی کا کہنا تھا کہ ''یہ فقط کورٹ کا فیصلہ ہے، ہم جلد ہی دوبارہ عدالت کے دروازے پر دستک دیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ اس بار ہم بھاری اکثریت سے کیس جیت جائیں گے عدالتِ عالیہ نے تخلیق کے نظریے پر پابندی صرف اسکول کے لیے عائد کی ہے اور وہ بھی وہاں، جہاں ارتقاء کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن پبلشروں کو اس سے متعلق کتابیں شائع کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے، نہ ہی نظریہ تخلیق پر پابندی لگائی گئی ہے، ارتقاء کی یہ جیت محض وقتی ہے''۔ اس موقع پر جو غیر جانبدار لوگ تھے یعنی جو نہ کٹر مذہبی تھے اور نہ ہی ارتقاء کو حرفِ آخر سمجھتے تھے ان کی رائے تھی کہ ''اس فیصلے کے بعد اساتذہ کو اس بات کا موقع ملے گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ جدید نظریات اور علمی موضوعات سے اپنے شاگردوں کو آگاہ کر سکیں اور اس طرح آزادانہ بحث و مباحث کے لیے ایک نیا میدان ہموار ہوگا۔'' کیس تو خیر اپنے اختتام کو پہنچا مگر تنازع ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ آیئے

Scanned by CamScanner

دیکھیں کہ اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟

1925ء میں نظریہ ارتقاء کو امریکا کی نصابی کتب میں شامل کیا گیا اور یہیں سے اس نظریاتی لڑائی کا آغاز ہوا۔ اب ایک نظر اس نظریے پر ڈال کر دیکھتے ہیں کہ آخر اس میں وہ کونسی بات ہے جو وجہ نزاع بنی۔

ارتقاء کے لفظی معنی ہے ''درجہ بدرجہ قدرتی ترقی، بڑھوتری یا نشوونما'' انگریزی میں اسے Evolution کہا جاتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق اس دھرتی پر موجود تمام جاندار یعنی پودے اور جانور وغیرہ ایک طویل ارتقائی عمل سے گزر کر موجودہ حالت کو پہنچے ہیں۔ زندگی کا ابتدائی روپ فقط ایک سادہ خلیہ (Cell) ہے۔'' یہ نظریہ سب سے پہلے ایک فرانسیسی سائنسدان لمارک Lamark (1745-1825) نے فلاسفیہ زولاجیکا (Philosophia Zoolagica) نامی کتاب میں پیش کیا تھا۔

لمارک کے اس نظریے میں ابھی کچھ خامیاں موجود تھیں لیکن اس پر بھی بڑی لے دے ہوئی۔ آخر کار انگریز سائنسدان چارلس ڈارون (1809-1888) نے اپنے وسیع مشاہدے اور عظیم الشان تحقیق کے بعد 1859ء میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''انواع کی ابتدا'' (The Origin Of Species) میں باقاعدہ طور پر یہ خیال پیش کیا کہ'' کائنات میں موجود ہر شے کا ارتقاء ہوا ہے۔'' ڈارون نے پہلی بار واضح الفاظ میں اس خیال کو رد کر دیا کہ یہ دنیا کسی مخصوص تخلیق کا نتیجہ ہے یا اس کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء کو تخلیق کرنے والی کوئی مافوق الفطرت ہستی (Metaphysical Entity) ہے۔ ڈارون نے نہایت ہی سادہ الفاظ میں کہا کہ ''انسان سمیت اس دنیا میں موجود ہر شے اس طویل ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے جو دنیا میں شروع سے لیکر آج تک رواں دواں ہے''۔ انھوں نے مزید کہا کہ ''انسان نے بھی اسی ارتقائی عمل کے ذریعے سادہ جانوروں سے ارتقاء کر کے موجودہ صورت اختیار کی ہے۔'' یہ نظریہ پادریوں کے کیمپ پر گویا سائنسدانوں کی طرف

Scanned by CamScanner

سے اُچھالا گیا بم بنکر گرا۔ ڈارون کا یہ انکشاف بائیبل کے ''خصوصی نظریہ تخلیق'' (The Theory Of Special Creation) کے بالکل برعکس تھا، جس نے مذہبی حلقوں میں تہلکہ مچادیا۔ یہ بات اشرف المخلوقات یعنی حضرتِ انسان کی شان میں گستاخی کے مترادف تھی اور ظاہر ہے کہ ایسی عظیم، برتر اور عالی ہستی کی شان میں اتنی بڑی گستاخی کیونکر برداشت ہوسکتی ہے؟۔

سگمنڈ فرائڈ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

''تاریخ میں سائنس کے ہاتھوں دو مرتبہ مذہب کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے، پہلی بار اس وقت جب یہ معلوم ہوا کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں بلکہ کائناتی نظام میں محض ایک نقطے کی مانند ہے اور دوسری بار اس وقت جب علمِ حیاتیات (biology) نے انسان کو اس کی خصوصی تخلیق کے وقار یا عظمت سے محروم کردیا اور عالمِ حیونات (Animal Kingdom) نے انسانوں کو انکے ابتدا کی جانب دھکیل دیا۔''

سوئیڈن کے مشہور اسکالر اور نباتاتی سائنسدان کارلوس لینیئس (Carolus Linnaeus 1707-1778) نے اپنے شہرۂ آفاق تحقیقی کام ''عالمِ حیوانات کی درجہ بندی'' میں انسان کو بھی شامل کیا ہے اور اسے Hom Sapiens کا نام دیا ہے۔ اینگلز اپنی کتاب ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز'' میں لکھتے ہیں کہ ''یہ انسان ہی ہے جس نے خود کو انسان بنایا ہے''۔

ڈارون کی یہ مذکورہ بالا Theory ظاہر ہونے کے بعد پادریوں نے اس سائنسی دریافت پر اعتراضات کیے، الزامات لگانا شروع کیے اور ہمیشہ کی طرح اس نئی سائنسی تخلیق اور دریافت کے خلاف بھی کفر کے فتوے صادر کیے اور سائنس کے خلاف اعلان جنگ کیا

Scanned by CamScanner

گیا۔ دراصل ارتقاء کے نظریے کو تسلیم کرنے کی صورت میں اس آسمانی دانش (Divine Intelligence) کی نفی ہوتی ہے، جس کے مطابق ہر جاندار کو اسکے خاص ماحول کے مطابق تراش خراش کر بھیجا گیا تھا۔ یہ لوگ ذاتی انا (Species Egoism) کی جھوٹی شان اور احساس کے اسیر ہونے کی وجہ سے اپنی آنکھوں پر اندھے تیقّن کی پٹی چڑھائے رہے اور یوں حقیقت کی کڑوی گولی ہضم نہیں کر سکے۔

یہ مسئلہ اتنا گھمبیر اور تہلکہ خیز ہو گیا جتنا کہ کوپرنیکس کے اس سائنسی انکشاف (1543) کے وقت ہوا تھا کہ ''زمین اس کائنات کا مرکز نہیں بلکہ نظامِ شمسی کا ایک چھوٹا اور حقیر سیارہ ہے!۔''

یونان کی تباہی کے بعد رومن سلطنت وجود میں آئی جس پر پادریوں کی گرفت مضبوط تھی اور ہر شے پر رومن کلیسا کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، یہی وہ وقت تھا جب مسیحی تعلیمات کے تحت دنیا کو ''زندگی کی خصوصی تخلیق کا نظریہ'' دیا گیا۔ اس نظریے کے مطابق ''خدا نے اس کائنات کو چھ دنوں میں تشکیل دیکر مکمل کیا۔ اس عرصے میں نباتات اور حیوانات کی تمام اقسام بیک وقت تخلیق کی گئیں اور ساتویں دن خدا نے آرام کیا اُس وقت سے لیکر آج تک یہ کائنات اسی طور چل رہی ہے اور نہ تو اس میں کوئی بنیادی نوعیت کی تبدیلی رونما ہوئی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی بڑی ترقی واقع ہوئی ہے۔ البتہ اس کی اصل حدود سے باہر جو تبدیلیاں نظر آرہی ہیں یہ سب درحقیقت شیطانی شعبدے ہیں اور پادریوں کے بقول ہر خدا پرست کو ان سے پناہ مانگنی چاہیے اور اسے تسلیم کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔''

اگر کسی بھی شخص نے پادریوں کی اس منطق کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو اسے ''کافر''، ''ملحد''، ''دہریہ''، ''جادوگر'' اور ''بدعتی'' ایسے القابات سے نوازتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح 1859 میں ڈارون کی کتاب ''انواع کی ابتدا'' (The Origin Of Species) شائع ہونے کے بعد پادریوں کی طرف سے اس کے خلاف واویلا

Scanned by CamScanner

کرنے کا سبب بھی یہی تھا کہ یہ کتاب انجیل مقدس کے ''خصوصی نظریہ تخلیق'' سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ بس پھر کیا تھا، پل بھر میں یوں تہلکہ مچ گیا جیسے کسی نے شہد کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو۔ مسیحی کلیسا تشدد پر اُتر آئی اور چاروں طرف سے کافر، ملحد اور دہریئے کے فتوے صادر ہونے لگے۔ پریس، اخبارات، رسائل اور سرکاری میڈیا وغیرہ کے ساتھ ساتھ کچھ سائنسدانوں نے بھی ڈارون کے خلاف واویلا شروع کر کے گویا اس کا جینا ہی حرام کر دیا۔

ڈارون کے خلاف رجعت پرست حلقوں کی طرف سے اتنی واضح مخالفت کوئی نئی اور عجیب بات نہیں تھی۔ دراصل یہ جدلیاتی تاریخ کی مخالفت کے سلسلے کی ایک کڑی تھی جو تاریخ کے ہر دور میں رجعت پرست طبقہ روشن خیال افراد کے خلاف کرتا آیا ہے۔ مسیحی کلیسا جہاں گیارڈنو برونو (1570-1600) کو بائبل کی صداقت اور تقدّس کی آڑ میں زندہ جلا سکی، جہاں گلیلو سے ''پاک انجیل'' کی صداقت کی آڑ میں معافی، توبہ اور ناک رگڑوائی جا سکی اور اس کی کی گئی تحقیق کو اسی کے منہ سے جھوٹ اور غلط کہلوایا جا سکا، وہاں اگر ڈارون کو انجیلِ مقدّس کی آڑ میں ملحد اور دہریہ کہا گیا تو یہ کوئی تعجب میں پڑنے والی بات نہیں تھی۔

ڈاکٹر اللہ داد بوہیو اپنی کتاب ''علم تحقیق'' میں رقمطراز ہیں کہ

''کافروں اور منکروں کی تاریخ قدیم ہے اور انکی فہرست بھی طویل ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا منکر ٹولیمی (Ptolemy) تھا جس نے روایات اور راویوں سے انکار کرتے ہوئے بتایا کہ ''تاروں کی حرکت کا سبب آسمانی طاقتوں کی مداخلت نہیں ہے بلکہ یہ ریاضی کے حقائق ہیں۔'' چارلس ڈارون نے انسان کے وجود اور نسلوں کی بڑھوتری کے بارے میں اپنے سے پہلے بتائی گئی اور تسلیم شدہ آراء کو ماننے سے انکار کیا اور ''کافرِ اعظم''

Scanned by CamScanner

کا خطاب حاصل کیا۔"

ڈاکٹر صاحب آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ

"غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو افراد انقلابی اور سچّے انسان دوست تھے، وہ روایات کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے منکر تھے ،اس لیے وہ انسان کی کسی رائے ،اعتماد کی کسی بھی سند اور روایت کے کسی بھی تقدّس کے اندھے پیروکار نہیں بن سکے اور کافر کہلائے گئے۔"

نظریہ تخلیق کے حامیوں اور ارتقاء کے مخالفین نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو ارتقائی نظریات کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے لیکن ڈارون، الفریڈ رسل ویلس (1823-1913) اور دیگر بہت سے ارتقائی ماہرین کی جانب سے پیش کیے گئے ارتقائی ثبوت وشواہد نے ارتقاء کو ایک اہم نظریے کے طور پر عوام سے منوایا۔ارتقاء کے مخالفین نے اسے خواہ مخواہ انا کا مسئلہ بنایا اور دنیا کے کونے کونے سے آکر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے۔1935ء میں "ریلیجین اینڈ سائنس ایسوسی ایشن" (Religion and science Association) کے نام سے وہ پہلی بار باضابطہ طور پر ایک متحدہ سطح پر اکھٹے ہوئے۔یہ گروہ پہلے "تخلیقی سائنس گروپ" (Creative Science group) کے نام سے تھا۔اس کے صرف تین سال بعد ایک دوسرا گروپ "کری ایشن ڈی لوگاس سوسائٹی" (Creation De logos Society) کے نام سے میدان میں آیا۔اگرچہ ان تنظیموں کے نام سائنسی طرز کے تھے لیکن اسکے باوجود یہ الہام، روحانیت اور ایسے دیگر مذہبی اقدار یا علوم کو قابلِ قبول سمجھتے تھے اور مذہب کے علاوہ ہر شے مثال کے طور پر سائنس، مادیت اور جدیدیت کو "شیطانی قوتوں کا کرشمہ" سمجھتے تھے۔

موقع کی مناسبت سے گزشتہ زمانے کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ کسی زمانے میں

Scanned by CamScanner

کچھ مذہبی مفکرین اس معاملے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ گھوڑے کے منہ میں کتنے دانت ہوتے ہیں؟ بحث گرم ہوتی گئی، کوئی کیا کہہ رہا تھا تو کوئی کیا، یعنی جتنے منہ اتنی باتیں۔ اتنے میں ایک نوجوان کا وہاں سے گزر ہوا اور انھیں مصروفِ بحث پا کر ان سے دریافت کیا کہ کیا ماجراء ہے؟ اور پھر اس بارے میں جان کر انھیں مشورہ دیا کہ ''کیوں نہ گھوڑے کا منہ کھول کر دانت گن لیے جائیں؟ یہ مسئلہ خود ہی حل ہو جائے گا!'' یہ سن کر فلسفی آگ بگولا ہو گئے اور انھوں نے مار مار کر اس نوجوان کے بے حال کر دیا اور پھر کہنے لگے کہ ''زرا اس کافر کو تو دیکھو جو مذہب اور فقہ کو چھوڑ کر شیطان کا عقلی راستہ اختیار کر بیٹھا ہے۔''

بہر حال مذکورہ بالا دونوں گروہ اپنے تئیں ارتقاء کے خلاف ثبوت تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ 1968ء میں انھیں اپنے قائم کردہ کچھ پیمانوں کے مطابق کچھ ایسے ''ثبوت'' ملے جن کی بنیاد پر وہ اپنے خیال کے مطابق ارتقاء کو غلط ثابت کر سکتے تھے۔ امریکی سپریم کورٹ میں دعویٰ داخل کیا گیا کہ ''پبلک اسکولوں میں دی جانے والی ارتقاء کی تعلیم غلط، غیر قانونی اور مذہب کے خلاف ہے۔'' عدالت نے فریقین کے دلائل سُنے اور انکی جانب سے پیش کردہ ثبوتوں کی چھان بین کرنے کے بعد ارتقاء کے حق میں فیصلہ سُنا دیا۔ ارتقاء کے مخالفین کی طرف سے پیش کردہ شہادتیں غیر حقیقی، غیر عقلی، غیر سائنسی اور ادھوری تھیں۔ اس طرح ان کا پہلا بھرپور حملہ زائل ہو گیا۔

اس فیصلے سے ''تخلیق'' کے حامیوں کی سوچ میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی جس کے بعد انھوں نے لفظ ''سائنس'' کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا شروع کر دیا اور نہ صرف اتنا بلکہ سائنس کو اپنے مطلب اور مفاد کے مطابق مفہوم دیا گیا۔ ہر مذہبی بات کو سائنسی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور یوں ہر سائنسی حقیقت کو مذہب کا لبادہ پہنایا گیا۔ انھوں نے اس اٹکل بازی کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ زمین کی تخلیق کے بارے میں بائیبل میں بیان کیے گئے قصے کو سائنسی تعلیم میں شامل کیا جائے اور

Scanned by CamScanner

مذہبی نظریات کا پرچار ارتقاء کے ساتھ ساتھ کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔ دوسرا بھرپور وار یہ کہہ کر کیا گیا کہ ارتقاء کے نظریے میں پیش کردہ تمام کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل طور پر مربوط نہیں ہیں بلکہ یہ ٹوٹی ہوئی کڑیاں ہیں جو سائنسی بنیادوں پر پورا نہیں اترتی ہیں۔ اس دوسری ''دلیل'' نے البتہ ارتقاء کے حامیوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اور وہ آج دن تک اس سلسلے میں الجھن کا شکار لیکن اس کے ساتھ ساتھ گم شدہ کڑیوں کو ملانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں اور بھرپور طریقے سے کوششیں کر رہے ہیں کہ اس معاملے کی تہہ تک کیسے پہنچا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت سارے ثبوت ڈھونڈے ہیں۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق انھیں یہ گم شدہ کڑی مل گئی ہے جو کہ 30 جولائی 1995 کو BBC ٹی وی سے ایک خبر کے طور پر ٹیلی کاسٹ بھی ہوئی جس کے مطابق ایک امریکی یونیورسٹی کے پروفیسر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے جنوبی افریکا میں جوہانسبرگ کے مقام کے قریب ایک غار میں 30 ملین (تین کروڑ) سال پرانا انسانی جسم کا FOSSIL (پتھرائے ہوئے اجسام) دریافت کیا ہے جو بن مانس (APE) اور انسان کے درمیان کی گم شدہ کڑی کو ملاتا ہے۔ اس پروفیسر نے دعویٰ کیا کہ اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ انسانی ارتقاء کی تمام کڑیوں کو یکجا کر کے اسے مکمل کر سکے۔ اس سے قبل 29 جولائی 1994 کو BBC ریڈیو نے اپنی اردو نشریات میں بتایا تھا کہ ایتھوپیا میں 44 ملین سال پرانے انسانی FOSSIL (پتھرائے ہوئے اجسام، پودے وغیرہ) ملے ہیں۔ اس سلسلے میں دن بدن ہماری معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے اور نئی تحقیق کی خبریں اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے ہم تک پہنچ رہی ہیں۔

کچھ سال قبل برطانیہ کی ماہرِ ارتقاء خاتون ایلین مارگن نے بڑی تحقیق وجستجو کے بعد انسان کے ارتقاء کے بارے میں ایک کتاب ''عورت کی پیدائش'' (Descent of Woman) تحریر کی ہے جس میں پیش کردہ دلائل اور سائنسی حقائق میں بڑی صداقت

Scanned by CamScanner

نظر آتی ہے۔اس نے انسانی ارتقاء کی کہانی کی گم شدہ کڑیاں، سائنسی، حقیقی اور منطقی دلائل سے اس طرح ملائی ہیں کہ وہ کم وپیش مکمل ہوگئی ہے۔ان کا پیش کردہ خیال زیادہ سے زیادہ معقول، منطقی اور حقیقت وسائنس کے زیادہ قریب لگتا ہے۔

ژاں پال سارتر(Jean Paul Sartre)اپنی کتاب (Being and Nothingness)میں لکھتے ہیں کہ

"انسان کی عظمت اس راز میں پنہاں ہے کہ وہ نامکمل ہے اور وہ اپنے نامکمل ہونے کا شعور بھی رکھتا ہے۔یہی بات اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنی تکمیل کی جدوجہد میں اپنی تعقل پسندانہ تحقیق جاری رکھتا ہے۔"

خصوصی نظریہ تخلیق کے حامی دعویٰ کرتے ہیں کہ" یہ دھرتی 6000 سے 7000 ہزار سال پرانی ہے اور جب زمین کو پیدا کیا گیا تو اس پر تمام اقسام کی مخلوقات جوں کی توں اور اسی وقت سے موجود تھی۔ پودے، درخت، پھل، پھول، دریا، آبشار، سمندر، پہاڑ، میدان، انسان، حیوان، پرندے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ سب اسی موجودہ حالت میں تھے جس میں وہ آج ہیں۔ان میں کوئی ارتقائی عمل نہیں ہوا ہے۔"اتنی مدت گزرنے کے باوجود بھی انکے پاس اپنے تخلیقی نظریے کو ثابت کرنے کے لیے کسی بھی قسم کا ٹھوس ثبوت نہیں تھا جسے وہ پیش کر سکتے۔

1650ء میں آئرلینڈ کے آرچ بشپ جیمز اُشر (james Usher) (ڈاکٹر جان لائٹ فوٹ(Dr Jan Light Foot)جو کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں، انھوں نے کہا کہ" اس دھرتی پر پہلا انسان جولین کیلنڈر کے مطابق 4004 سال قبل 23 اکتوبر، صبح 9 بجے، جمعہ کے دن میسوپوٹیما (عراق) میں پیدا ہوا۔"جمعہ کے دن پر ان کا زور اس لیے تھا کہ مسیحی عقیدے کے مطابق اس کائنات کو خلق

Scanned by CamScanner

کرنے کے بعد ساتویں دن یعنی ہفتے کے روز خدا نے آرام کیا تھا۔اس دن کوئی تخلیق نہیں کی گئی تھی، کیونکہ 6 دنوں میں کائنات کی تخلیق مکمل ہو چکی تھی اور انسان اس سلسلے کی آخری تخلیق تھی۔

انگلستان کے آرچ بشپ سینٹ آگسٹن (St. Augustine) نے چھٹی صدی عیسوی میں کتاب ''خدا کا گھر'' میں کائنات کی پیدائش کا عرصہ پانچ ہزار سال قبل مسیح قرار دیا تھا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ''اگر کائنات کی تخلیق صرف پانچ ہزار سال پرانی ہے تو پھر خدا جو ہمیشہ سے موجود ہے کائنات تخلیق کرنے سے قبل کیا کر رہا تھا؟'' اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ''وقت کائنات کی صفت ہے۔اس لیے کائنات کی تخلیق سے قبل وقت کا وجود ہی نہیں تھا، خدا اس عرصے میں تجھ ایسے گستاخانہ سوالات کرنے والے منافقوں کے لیے جہنم تیار کر رہا تھا۔

سی اے ایم جوڈس تخلیقی نظرے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''اس نظریے کو موجودہ شکل میں قبول کرنے سے جو امر مانع ہے وہ ہمیشہ سے موجود رہنے والی یہ شہادت ہے کہ فی الحقیقت متعدد انواع اپنی بناوٹ کی حد تک اپنی ہی طرح کی بہت سی انواع سے درجہ بدرجہ ارتقاء کر کے وجود میں آئیں۔''

ارتقاء کے حامی اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ مختلف قسم کی مخلوقات کے دریافت ہونے والے FOSSIL (پتھرائے ہوئے اجسام، پودے وغیرہ) مسلسل تغیر پذیر دنیا، زمین، بدلتے موسم، زمین کے اندر کوئلہ، تیل اور گیس کے ذخائر دیگر معدنیات اور دھاتیں وغیرہ، یہ سب محض چند ہزار سال کے نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ ان کے لیے اربوں سال کا عرصہ درکار ہے۔ بائیبل کی بات کبھی سائنس نہیں ہو سکتی کیونکہ سائنس محض عقیدے کی بجائے ٹھوس حقائق اور تجربات پر مشتمل علم ہے۔ یہ انسانی شعور کی پَو پھوٹنے سے لیکر اب تک بے

Scanned by CamScanner

شمار سائنسدانوں، دانشوروں اور محققین کے کیے گئے مشاہدات اور تجربات کا نچوڑ ہے۔ یہ کسی فردِ واحد کی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس میں ہر بات کو شعور اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے، جبکہ بائبل کی بات تسلیم کر بھی لی جائے تو اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

سائنس کی کی گئی تحقیقات اور تجربات کو محض عقیدے کی بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ تحقیق اور تجربے نے تو قطعی عقیدے کی بنیاد پر مشتمل بہت سی باتوں کو غلط اور جھوٹا ثابت کیا ہے۔ ویسے بھی سائنس کسی بات کو حرفِ آخر نہیں سمجھتی اور اس میں ترمیم کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ تجربات کی بنیاد پر سائنس آج کی نامکمل بات کو کل مکمل طور پر بیان کر سکتی ہے اور آج کا سچ کل کا جھوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔ سائنس کسی بات کو انا کا مسئلہ بنانے یا کفر کے فتوے جاری کرنے کی بجائے درست مشاہدے اور تجربے کی مدد سے ترقی کی شاہرہ پر ثابت قدمی سے گامزن ہے۔ سائنس علم کے دائروں کو وسعت دے رہی ہے اور حیات اور کائنات کو نیا رنگ و ڈھنگ دینے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کو بھی تبدیل کر کے پختہ کر رہی ہے۔

تخلیقات کے حامی اگر زرا بھی حقیقت پسندی سے کام لیتے اور عقلی بنیادوں پر معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی جستجو کرتے تو پھر ایسی گھمبیر صورتحال پیدا ہی نہیں ہوتی!۔ لیکن انھوں نے ہر بار یہی بچکانہ روش اختیار کی اور انتہا پسندی کا سہارا لیا وہ اس بات پر بضد رہے کہ ''بائبل صرف اور صرف سچ ہی ہے جس پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔ اس میں جو کچھ بھی لکھا ہے آنکھیں بند کر کے بغیر کسی چوں و چرا کے تسلیم کرنا چاہیے۔ چونکہ بائیبل خدا کا مقدس کلام ہے اسی لیے یہ ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہے۔''

پادری حضرات نے اس سوچ کو ''نئی سائنس'' کا نام دیا اور لوگوں کے لیے یہ فتویٰ جاری کیا کہ ''بائیبل کو حرف بہ حرف سچ مانا جائے اور تمام باتوں، مظاہر اور معروضی

Scanned by CamScanner

حقائق کو اسی کسوٹی پر پرکھا جائے''۔ اگر کوئی بات یا مسئلہ سائنسی نقطۂ نظر سے چاہے درست ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کا ذکر بائیبل میں نہیں ہے تو اس کے بارے میں ان کا موقف تھا کہ ''یہ صحیح بات جہنم میں جائے، ہمارا بھلا اس سے کیا تعلق ہے!۔''

جواہر لال نہرو اس معاملے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

''زمانہ قدیم سے لیکر آج تک کچھ لوگ کائنات کے بارے میں عجیب وغریب قسم کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں تاکہ موجودہ انفرادی اور اجتماعی سماجی مسائل سے عام لوگوں کی توجہ ہٹائی جائے اور جب یہ کائنات کی ایسی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر مایوس ہو کر اپنی تسکین کے لیے کوئی الہامی عقیدہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح انسان عقلی اور علمی سوچ ترک کر کے بے عقلی، توہم پرستی، نامعقول اور غیر منصفانہ تعصب کی اتھاہ گہرائیوں میں پناہ لیتا ہے۔''

اپنی عظیم تصنیف ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں جواہر لال نہرو لکھتے ہیں کہ

''جب میں اس وسیع کائنات پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اکثر پراسرار اور نامعلوم گہرائیوں کا احساس ہوتا ہے۔ دل بے اختیار چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اسے سمجھنے کی کوشش کروں اور ان اسراروں سے واقفیت حاصل کروں۔ اس وقت اسے حاصل کرنے کے لیے میرے سامنے فقط ایک ہی راستہ ہوتا ہے اور وہ ہے سائنسی طریقہ کار۔''

کیلیفورنیا ریاست کے علاقے سانٹے میں تخلیق کے حامیوں نے ''انسٹیٹیوٹ فار کری ایشن ریسرچ'' (Institute For Creation Research) کے نام

سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا تعلق کرسچن ہیریٹیج کالج سے ہے۔اس ادارے میں لائبریری اور عجائب گھر وغیرہ بھی ہیں، جہاں تخلیقات کے نئے اور پرانے حامی آکر اکھٹے ہوتے ہیں اور تربیت حاصل کرتے ہیں۔ یہ ادارہ پڑھنے، پڑھانے، لکھنے، بحث مباحثہ کرانے، نئے ممبر بنانے کے علاوہ بار باڈوس، میکسیکو اور کوریا جیسے دور دراز علاقوں کی طرف مشنری (تبلیغی) پروگرام ترتیب دینے جیسے کاموں میں لگا ہوا ہے۔اس ادارے (I.C.R) کے بانی اور منتظم ہینری مورس اور ڈیوان گُش ہیں۔ دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود نظریہ ارتقاء کے شدید مخالف ہیں۔ گُش کا موقف ہے کہ ''اگر ارتقاء واقعی ہوا بھی ہے تو پھر یقیناً وہ کچھ عرصے کے لیے ہوا ہوگا اور پھر بس! لیکن ایسا ہونے کے باوجود بھی اگر جدید ارتقاء کے حامی ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ انسان اور بن مانس (Ape) کے درمیان کی کڑیاں مکمل کر کے میرے سامنے لائیں تو میں ارتقاء کی حمایت کرنے میں تاخیر نہیں کرونگا۔'' گُش سے جب تخلیقات کے بارے میں ثبوت طلب کیا گیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے معاملے کو ٹالنے کی کوشش کی کہ ''ہم تو صرف ان باتوں کی وضاحت کر رہے ہیں جو وہ (یعنی سائنس کے حامی) کرتے رہے ہیں، بلکہ ان حقائق کو استعمال کر رہے ہیں جو ارتقاء کو انہونی بات ثابت کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔''

گُش اور اس کے ساتھی مورس کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ انتہا پسندی کے عقلمند شکار ہیں، جو عقیدے کے بہت قریب اور عقل سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ نظریہ ارتقاء کے حق میں آخر کار یہ عقل کی بات اٹل اور ناگزیر ٹھہرتی ہے کہ اگر اس کو فی الحال غلط بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی سائنس میں کم از کم اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ نئے حقائق کی روشنی میں پرانے نظریات میں اصلاح اور ترمیم کر کے اسے تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے تا کہ وہ عقل کے مزید قریب آسکیں۔

جیراڈ آرڈسما I.C.R کے نئے رکن ہیں۔ انھوں نے ٹورنٹو سے ڈاکٹریٹ کی سند

Scanned by CamScanner

حاصل کی ہے۔ان کے آنے سے I.C.R کے موقف میں یہ جدت آئی ہے کہ کیوں نہ بائیبل میں بیان کیے گئے واقعات پر ''مستند'' تحقیق شروع کی جائے!۔جیراڈ آرڈ سما خود آدم اور حوا کے آسمان سے پھینکے جانے والے واقعہ کی شہادت کی تلاش میں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ''عین ممکن ہے کہ آدم وحوا کو جنت سے نکال کر یوں نہ پھینکا گیا ہو کہ وہ دھڑام سے نیچے گرے ہوں! ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انھیں نہایت آہستہ آہستہ زمین پر اتارا گیا ہو!۔'' انسانی ارتقاء کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ''ہم انسانی موجودگی کے لیے اتنا طویل افسانہ کیوں گھڑیں، جس کے مطابق شہد کی مکھیوں کی رانی، جس نے اپنی بہن کو قتل کر کے ایک مچھلی کو جنم دیا اور پھر وہ مچھلی خود بھی ایک انسانی بچی کو جنم دیکر مرگئی!''۔

I.C.R کے بانی ہنری مورس کے بیٹے جون مورس طوفانِ نوح کے آثار ڈھونڈنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں، وہ اس سلسلے میں ٹیکساس اور کوہِ ارارات وغیرہ جیسے مختلف علاقوں میں گیا اور کشتیِ نوح کے نشانات تلاش کیے۔اسے پرانے قدموں کے نشانات ملے جس کے بارے میں اس کا دعویٰ ہے کہ یہ نشان ثابت کرے گا کہ کسی دور میں انسان اور ڈائنوسار بیک وقت زمین پر موجود تھے! مورس کے علاوہ دیگر بے شمار محققین نے طوفانِ نوح اور کشتیِ نوح کے بارے میں تحقیق کی ہے۔جبکہ کچھ لوگوں نے ''باغِ عدن'' کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اور بہت سے خیالی مفروضات پیش کیے ہیں۔ معاملہ روز بروز زیادہ گھمبیر ہوتا گیا یہاں تک کہ 1987ء میں اس طویل نظریاتی جنگ کا فیصلہ امریکی سپریم کورٹ نے ارتقاء کے حق میں دیکر کیا!۔ہارنے والے گروہ نے اس فیصلے کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اب تک اپنے عقیدے کی روش پر قائم ہیں۔کورٹ کے سامنے ان کی شکست کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ تحقیق سے زیادہ عقیدے کے اسیر تھے۔اپنے خیالات کے بارے میں ٹھوس اور جامع حقائق اور شہادتوں کو جمع کرنے کی بجائے انھوں نے اپنی تمام توانائی ارتقاء کو غیر سائنسی ثابت کرنے میں ضائع کی۔جبکہ ان

Scanned by CamScanner

کے مقابلے میں ارتقاء کے حامیوں نے اپنے کیس کا دفاع مضبوط حقائق کی بنیاد پر کیا، انکی پیش کردہ شہادتیں عقلی بنیادوں پر مشتمل تھیں اور سائنسی معیارات اور میزان پر پورا اترتی تھیں۔ اب بھی نظریہ تخلیق کے حامی اپنی بچکانہ سوچ کو ترک کر کے حقیقت پسندی کی طرف دھیان دیں تو وہ جلد ہی اس عالم آشکار حقیقت کو سمجھ اور تسلیم کر لیں گے کہ ''ارتقاء کا عمل اٹل مادی قوانین کے بموجب مسلسل جاری وساری ہے۔

اب آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ ارتقاء کے نظریے کی کامیابی کے اسباب کیا تھے:

ڈارون نے اپنے نظریے کی بنیاد کسی الہامی کتاب پر نہیں رکھی تھی اور نہ ہی کسی از غیبی قوت کی آشیر باد کا سہارا لیا تھا، بلکہ اس نے تو ایک ہی ضرب میں دونوں کے وجود سے انکار کیا تھا۔ اس نے روایات اور دقیانوسی خیالات کو رد کرتے ہوئے اپنی سوچ کو سائنس کے اٹل اصولوں کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ اس نے اپنے نظریے کی تشکیل میں تیس سال کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ شامل کیا تھا۔ اس نے دنیا کے مختلف براعظموں کے مختلف ممالک کا دورہ کیا تھا اور جنگلات اور پہاڑوں کی خاک اڑائی تھی، میدانوں، بیابانوں، اور ریگستانوں کی خاک چھانی تھی اور بھانت بھانت کے پودوں، درختوں، انسانوں اور حیوانات وغیرہ کا مطالعہ ومشاہدہ کیا تھا۔ اس نے علمِ حیاتیات، علمِ حیوانات، ارضیات، اناٹومی، فزیالوجی، ایمبریالوجی، پتھرائے ہوئے اجسام یعنی پلینٹالوجی اور بشریات یعنی انتھروپولوجی کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ ان تمام علوم پر اچھی دسترس رکھتا تھا اور اسی سائنس کی بنیاد پر اس نے اپنے مطالعے اور مشاہدے میں آنے والے جانوروں کا تقابلی مطالعہ (Comparative Studies) کیا تھا اور اسے بنیاد بناتے ہوئے جانداروں میں یکسانیت اور فرق کی جانچ پڑتال کی تھی، ان کے مختلف حیاتیاتی افعال کی چھان بین کی اور اس سے حاصل ہونے والے تمام نتائج کو سمیٹتے ہوئے ایک نظریے کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا، جسے ہم

Scanned by CamScanner

سب ''ارتقاء'' کے نام سے جانتے ہیں۔

ڈارون نے تمام شہادتوں، مشاہدات اور اکھٹی کی گئی معلومات کو انتہائی احتیاط، دانشمندی اور سلیقہ مندی کے ساتھ ترتیب دیا اور اس کی خوب چھان بین کی۔ اس نے اپنی بھرپور جوانی کے پانچ سال، مسلسل دن رات جان جوکھوں میں ڈال کر'' بیگل '' نامی بحری جہاز کے عرشے پر ایک ''ماہرِ حیاتیات'' کی حیثیت سے گزارے۔ اس طویل بحری سفر اور تحقیق کے دوران اسے جو بھی چھوٹے بڑے حیاتیاتی علامات اور نشانات ملے، ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، انھیں اکھٹا کیا، روزنامچہ ترتیب دیا اور حاصل شدہ نتائج کو الٹ پلٹ کر دیکھا، اسکے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور انکے بارے میں سوچ بچار کی۔

ڈارون کی پرورش سائنسی ماحول میں ہوئی تھی، اسکے والد ایک مستند ڈاکٹر تھے، اسکے دادا ارسمس ڈارون نے ارتقاء کی تشریح پر مبنی ایک مقالہ تحریر کیا تھا جسکا ڈارون پر گہرا اثر تھا اور یہی وجہ تھی کہ ارتقاء اس کے لیے کوئی نئی شے نہیں تھی البتہ وہ اس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھا۔ اسکے علاوہ وہ اس کائنات اور اس میں زندگی کے بارے میں مذہبی سوچ سے بھی بخوبی واقف تھا۔ اس نے زندگی کی ابتدا کے بارے میں بے شمار مفکرین کے خیالات اور سوچوں کو اپنے مطالعے کا محور بنایا تھا۔

وہ سقراط (Socrates, Circa 469-399 B.C)، بقراط، انکسماندر (Anaximander)، ارسطو (Aristotle, 384-322 B.C)، اپی کیورس (Epicurus, 341-270 BC)، پیتاغورس (Phytha Goras)، لوکریشس (lucretus, 95-51 B.C)، سے لیکر ولیم ہاروی (William Haryey) (1578-1657)، ایڈورڈ ٹائسن (Adward Tyson) تک اور کلیڈس گیلن (Cladius Galen Circe 200-130 B.C)، لیونارڈو۔ڈا۔وینچی (Leonardo-da-Vinci)، شوکر (N.Hart Soecker) آندرے ویزیلس

Scanned by CamScanner

(Andreas Vesallus 1514-1564) اور لمارک (Lamarck) تک فلاسفروں ،دانشوروں، مفکرین، اسکالرز اور سائنسدانوں کے خیالات ،سوچوں، نظریات، مشاہدات اور تجربات کے بارے میں وسیع آگاہی رکھتا تھا۔اس کائنات اور اس پر زندگی کے وجود کے بارے میں خیال اور نظریہ تو انسانی شعور کی پَو پھوٹنے سے ہی دنیا کے سامنے پیش ہوتا رہا ہے۔ارتقاء کے بارے میں بھی ہزاروں مفکرین نے اپنی دانش کے جوہر دکھائے ہیں لیکن ڈارون سب سے سبقت لے گیا۔اس نے ہر بات مادی بنیادوں پر تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں پیش کی ۔اس نے ارتقاء کے عمل کو ثابت کرنے کے لیے مشاہدات، تجربات اور ثبوتوں کا بہت زیادہ قیمتی مواد اکھٹا کیا اور یہی وجہ تھی کہ اسکے اخذ کیے گئے نتائج زیادہ منطقی اور سائنسی تھے۔

ڈارون کے پیش کردہ نظریے کی عوام میں پذیرائی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ 24 نومبر 1859ء کو ان کی کتاب ''نسلوں کی بنیاد'' جیسے ہی مارکیٹ میں آئی، اس کا پہلا ایڈیشن پہلے ہی دن ختم ہو گیا جبکہ دوسرا ایڈیشن شائع ہونے سے قبل ہی بُک ہو چکا تھا۔ ڈارون کی زندگی میں ہی اس کی کتاب کے چھ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے جو ہاتھوں ہاتھ لیے گئے ۔آج اس کتاب کا 30 سے زیادہ بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ٹامس ہکسلے (T.H.Huxley,1825-1895) نے ڈارون کی یہ کتاب پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ ''ہم کتنے احمق تھے، یہ خیال ہمیں پہلے کیوں نہیں سوجھا۔''

کارل مارکس (Karl Marx) 1861ء میں لاسال (Lassalle) کو لکھے گئے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ

''ڈارون کی یہ کتاب انتہائی اہم ہے اور تاریخ میں طبقاتی جدوجہد کے حوالے سے اس کتاب نے میرے لیے ایک قدرتی اور سائنسی

Scanned by CamScanner

بنیاد فراہم کی ہے۔"

ڈارون نے 1860ء میں لکھے گئے ایک خط میں اپنے نظریے کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

"ہر کسی کو یہ حق ہے کہ وہ انسان کی تخلیق کو کسی ہستی کا کرشمہ تسلیم کرے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، لیکن میرے نظریے کو یکسر رد کرنا سراسر بدنیتی ہوگی"۔

1871ء میں ڈارون کی ایک دوسری کتاب "انسان کی پیدائش" (Descent Of Man) منصۂ شہود پر آئی، جس میں اس نے انسان کی بنیاد اور ارتقاء پر روشنی ڈالی۔ تاریخ کے دیگر اٹل و ناگزیر حقائق کی مانند دائمی اور آخری فتح بھی سچ کی ہوئی۔ ڈارون کے دریافت کردہ نظریے کو آج اس دنیا کا ہر باشعور فرد اور پڑھا لکھا حلقہ تسلیم کرتا ہے۔ اس طرح آج حیاتیاتی دنیا کے ارتقاء سمیت انسان کے ارتقاء کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود بہت سے مذہبی عالم اور مفکر کہلوانے والے بھی اب ارتقاء کے نظریے کی صداقت سے متاثر ہو کر اسے تسلیم کرتے ہیں اور یہاں تک کہ اپنی مقدس کتابوں سے ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے "اُپنیشد" اس سلسلے میں اہم بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ بہت سے پنڈت اور مذہبی پیشوا یہ شیخی بگارتے یا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ "وید" اور "اُپنیشد" ہی وہ ماخذ ہیں جہاں سے سائنس کا ظہور ہوا ہے۔ "تیتریہ اُپنیشد" اور "مندا کا اُپنیشد" تو زندگی کی ابتدا کے بارے میں کسی "بھگوان" یا کسی ازغیبی قوت کو اس کا خالق یا تشکیل دینے والا یا سنبھالنے والا نہیں سمجھتے۔ (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں، دامودرن K.Damodaran کی تحریر کردہ کتاب Man and society an Indian Society,1970)

ارتقاء گزشتہ دو صدیوں سے اس دنیا کے متعلق انسانی فکر کے لیے سب سے بڑا

Scanned by CamScanner

انقلابی تصور رہا ہے۔ کائنات ،دنیا، دھرتی، حیوانات ،نباتات،انسانوں اور انسانی معاشرے کے بارے میں ارتقاء اور تبدیلی کا اصول محض ڈارون کی کتاب ''نسلوں کی بنیاد'' کی چھان بین سے ظاہر نہیں ہوا ، بلکہ یہ ان تمام مفکرین ،دانشوروں، عالموں، اور سائنسدانوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے اپنے نظریات اور سوچوں کو پھیلانا شروع کیا تھا۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء اس سلسلے کی آخری مضبوط کڑی اور ارتقائی نظریے کی سائنسی معراج تھا۔ فرنچ دانشور جارج بفن (George Buffon) سے لیکر جرمنی کے جے، ای لیسنگ (J.E.Lessing) تک ہرڈر سے لیکر ہیگل تک اور فیوئر باخ سے لیکر مارکس تک، کائنات، زندگی، انسان اور سماج سے متعلق یہ ارتقائی تصور مختلف زبان و بیان کی صورت میں پیش ہوا ہے۔ ڈارون نے اس کو پختہ اور بقا کا حامل روپ دیا۔ نت نئے محققین تحقیق و جستجو کرتے رہے اور اپنے عقل، شعور، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر اس کو چار چاند لگاتے رہے۔

Scanned by CamScanner

عورت

جسمانی ساخت اور پسماندگی

ایولین ریڈ

وہ عورتیں جو عورتوں کی آزادی کی جدوجہد میں شریک رہی ہیں اور خاص طور پر وہ جنھوں نے اینگلز کی کتاب ''خاندان ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز'' کا مطالعہ کیا ہے، وہ یہ بات سمجھ سکتی ہیں کہ عورت کی مظلومیت کی جڑیں درحقیقت طبقاتی سماج میں پیوست ہوتی ہیں۔ انہوں نے بجا طور پر سرمایہ دارانہ معاشرتی نظام کو ''جنس پرست'' ایسے القابات سے نوازا ہے جو طبقاتی نظام کی ایسی انتہا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے میں عورتوں کے خلاف نابرابری کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ لیکن جو سوال عورتوں کو غیر یقینی کی کیفیت میں مبتلا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ان کی جسمانی ساخت کا انکو کمتر اور اور دوسرے درجے کی مخلوق بنانے اور قائم رکھنے میں کوئی کردار ہے یا نہیں؟؟؟؟؟

جس معاشرے میں مردوں کی بالا دستی ہو اور اس صورتحال کو برقرار رکھنے کے لیے وہ نہ صرف تاریخ بلکہ سائنس پر بھی قابض ہوں (یعنی اپنی گرفت برقرار رکھتے ہوں) وہاں عورتوں میں ایسی بے یقینی کی کیفیت کے اسباب کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

عورت اور اس کی تاریخی حیثیت کے مطالعے کے لیے سائنس کے دو شعبے یا علوم ہیں، جو بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا ہے علم حیاتیات (BIOLOGY) یعنی زندگی کا علم ہے اور دوسرا علم بشریات (ANTHROPOLOGY) یعنی نوع انسانی سے متعلق علم ہے۔ لیکن ان دونوں علوم کو کچھ اس ''احتیاط'' سے پیش کیا جاتا ہے کہ ان سے عورت کے متعلق حقائق عیاں نہ ہونے پائیں، جبکہ جنس کے حوالے سے مرد کے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ عورت کو نیچ اور کمتر ثابت کرنے کے لیے جو گرے ہوئے اور نیم سائنسی قسم کے پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں وہ الگ جسمانی ساخت کے حوالے سے ہی ہوتے ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ عورت کے مادی اعضاء اور بچے پیدا کرنے کا عمل اس کی جسمانی طور پر کمزوری اور خامی کی بنیاد ہے (یہ مجبوری حیوانوں میں بھی موجود ہے) اور اسی وجہ سے عورت یا مادی جنس مظلوم اور نیچ ہوتی ہے اور اپنے سے برتر مرد پر اپنے اور بچوں کے پالنے کے لیے انحصار کرتی ہے۔ یعنی عورت کی ساری مجبوری اور غلامی، فطرت پر ڈال دی جاتی ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ جسمانی ساخت کے لحاظ سے مرد اور عورت مختلف ہیں، عورت بچے پیدا کرنے کے اعضاء رکھتی ہے اور بچے پیدا کرتی ہے لیکن اس وجہ سے یہ کہنا کہ عورت کی مظلومیت اور کمتری کا سبب فطرت ہے تو یہ بالکل لغو اور فضول بات ہے۔ البتہ عورت کی اس حالت کی تمام تر ذمہ داری ان اداروں اور قوانین پر عائد ہوتی ہے جو طبقات میں بٹے ہوئے پدرسری سماج میں رائج ہیں۔ یہ صورتحال نہ تو حیوانات میں نظر آتی ہے اور نہ ہی قدیم دور کے اس سماج میں جس میں طبقات کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جنس پرست سماج کے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لیے تاریخ کے فطری اور سماجی پہلوؤں کو بھی حد سے زیادہ غلط طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ عورت کی مظلومیت کو اس کی جسمانی ساخت کی وجہ سے درست سمجھا جائے کہ یہ اس کا مقدر ہے، تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر عورت کے مصائب اور مشکلات

Scanned by CamScanner

اس کی جسمانی ساخت کی وجہ سے ہیں تو پھر اس کی آزادی اور مظلومیت سے نجات کی جدوجہد کی کیا ضرورت ہے؟۔ اگر وہ اپنی جسمانی ساخت کو تبدیل نہیں کر سکتی تو پھر اس کی سماجی حالت بدلنے کا کیا فائدہ ؟؟؟؟؟؟

یہ بات کم عمری سے ہی ہر وقت مسلسل اور ہر ممکن طریقے سے عورت کے دماغ میں بٹھا دی جاتی ہے۔ اگر برتر مردوں کی بات مان لی جائے جو کہ سائنسدانوں کا سوانگ رچاتے ہیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جسم عورت کا مقدر ہے اور بہتر ہوگا کہ عورتیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیں۔ دراصل یہ کہنا کہ جسمانی بناوٹ عورت کا مقدر ہے، اتنا ہی غلط ہے جیسے یہ کہنا کہ جسمانی بناوٹ مرد کا مقدر ہے، اس طرح تو ہم انسان کو حیوانی سطح پر لے آتے ہیں اور اگر عورت صرف نسل پیدا کرتی ہے تو پھر مرد بھی محض ایک سانڈ بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسی سطحی سوچ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان موجود فیصلہ کن فرق کو ختم کر دیتے ہیں۔

انسان کو اپنی حیوانی اصلیت اور اس دور کی زندگی سے نجات حاصل کیے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے اور اس نے ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے سماجی زندگی گزارنا شروع کی ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان جو بھی اختلافات ہیں ان کو سمجھنے کے لیے ہمیں پہلے انسانوں اور حیوانات میں موجود اس فرق کا جائزہ لینا ہوگا جو انسان کو ایک غیر معمولی اور بالکل نئی مخلوق بناتا ہے۔

انسان: ایک بے مثال جنس

جب سے چارلس ڈارون نے اپنا یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ''انسان نے ایک اعلیٰ قسم کے بن مانس (بوزنہ) سے ارتقا کیا ہے'' اس وقت سے لیکر آج تک حیوان اور انسان کی باہمی مشابہت اور یکسانیت پر بے شمار تحریریں لکھی گئی ہیں، لیکن اس موضوع پر کہ ''انسان اور

Scanned by CamScanner

حیوان میں کس قدر زبردست فرق ہے؟'' اس کی اہمیت کے باوجود اس پر بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ یہی وہ فرق ہے جو انسان کو ہر قسم کے حیوان سے بلند و بالا اور غیر معمولی بناتا ہے۔ انسان کے اس غیر معمولی فرق کی اصل بنیادوں کی نشاندہی مارکسسٹوں نے کی ہے۔ شعوری محنت اور زندگی کی ضروریات کے لیے پیداواری صلاحیت، یہ دونوں چیزیں کسی بھی حیوان میں نہیں ہوتی ہیں۔ انسان کے ارتقا کے سلسلے میں اینگلز نے محنت کے بارے میں اپنا نظریہ ''بن مانس سے انسان تک پہنچنے میں محنت نے کیا خدمت انجام دی'' نامی مضمون میں پیش کیا ہے۔

آج آثارِ قدیمہ اور علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کے بڑے بڑے ماہر مثلاً واش برن، ہوول اوکلے اور گورڈن چائلڈ اور دیگر ماہرین اوزار بنانے کی انسانی صلاحیت کو انسانی خاصوصیت تسلیم کرتے ہیں، جو انھیں دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ واش برن کے مطابق انسان کے ارتقا کی ابتدا پہلے پہل سادہ قسم کے اوزاروں کی بناوٹ سے ہوئی جس نے اسے آج کہ مہذب دنیا تک پہنچایا ہے۔ گورڈن چائلڈ بھی اینگلز ہی کی بات کو دہراتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ ''تاریخ سے پہلے کے قدیم آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محنت نے ہی انسان کو انسان بنایا ہے''۔ جو لوگ محنت کی اہمیت کو گھٹاتے ہوئے اکثر یہ کہتے ہیں کہ بن مانس بھی قدرتی اشیاء کو اوزاروں کی مانند استعمال کرتا ہے، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ انسان کا انسان ہونے میں محنت کوئی بنیادی عنصر ہے۔ لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ بن مانس چاہے اپنے ہاتھوں کو استعمال کرنے میں جتنا بھی ہوشیار ہو اور اسے جتنی بھی اس کی تربیت دی جائے، لیکن وہ خود اس سے کوئی بھی اوزار نہیں بنا سکتا۔

حیوانات میں محنت کی تقسیم جنس کی بنیاد پر نہیں ہوتی ہے، اس طرح انسانی ارتقا سے قبل زندہ رہنے کے لیے منظم محنت کا رواج بھی نہیں تھا۔ آدم سن کے بقول ''پنجے کی مدد

Scanned by CamScanner

سے چیزیں اکھاڑ کر ہاتھ کے ذریعے منہ تک لانا انسان کے انسانی علم رکھنے والے ان اجداد کی تکنیک تھی''۔ اسکے برعکس انسان کا محنت پر اتنا دارومدار ہے کہ اگر اس کی پیداواری صلاحیت ختم ہو جائے تو پھر بہت جلد ہی ایک جنس کی حیثیت سے اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ ایک بے مثال جنس یعنی انسان کی بڑھوتری اور ترقی صرف اس کی محنت کی صلاحیت اور پیداواری سرگرمیوں کی وجہ سے ہی ہے۔ ہم صرف نسل بڑھانے میں ہی مصروف نہیں ہیں بلکہ ضروریاتِ زندگی کے لیے پیداوار بھی کرتے ہیں۔ انسان اور فطرت کے مشترکہ تعلق میں انسانی محنت سے زبردست تبدیلی واقع ہوئی ہے، جس میں پیداوار کی اہمیت بھی نظر آتی ہے۔ بنیادی طور پر حیوان جسمانی عمل کی وجہ سے فطرت پر حاوی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے سامنے بے بس ہوتا ہے، لیکن انسان نے اس سلسلے کو الٹا کر دیا ہے، یعنی انسان نے اپنی محنت کے ذریعے فطرت پر اثر انداز ہونا سیکھ لیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک جنس یعنی انسان نے نہ صرف جسمانی ساخت کی براہِ راست پابندیوں سے نجات حاصل کر لی ہے بلکہ وہ اپنے سابقہ حاکم یعنی فطرت پر بھی قابض ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حیوانات کی تاریخ تو ان کے لیے لکھی جاتی ہے، لیکن انسان وہ واحد جنس ہے جو خود اپنی تاریخ بناتا ہے۔ انسان فطرت پر قابض ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے ضروریات کی اشیاء بھی پیدا کرتا ہے اور یہی وہ خاصیت ہے جو جانوروں میں نہیں ہے۔

جانوروں کی ضروریات خوراک اور نسل پیدا کرنے تک محدود ہے، جبکہ انسان کی ناگزیر خواہشات اور ضروریات کا سلسلہ لامتناہی ہے، جو کہ کلچر کے میدان میں زیادہ واضح ہے۔ جب ہم صنعت کی دنیا سے مثال لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسان نے ابتدا میں ہاتھ والی کلہاڑی کے بعد دستے والی کلہاڑی کی ضرورت محسوس کی، نرم لکڑی سے شروع کر کے زمین جوتنے کا ہل ایجاد کیا۔ معمولی چرخے اور کھڈیوں نے موجودہ دور کے کپڑے تیار کرنے والی مشینوں کو جنم دیا، رہائشی ضروریات نے گھانس پھونس کے جھونپڑوں سے

Scanned by CamScanner

ہوتے ہوئے کارخانوں اور بڑی بڑی عمارتوں کی شکل اختیار کی، صنعتی انقلاب کی تیز رفتاری نے بیل گاڑی کو ناکارہ بناتے ہوئے بحری جہازوں، ریل گاڑیوں، ٹرکوں، موٹر گاڑیوں، ہوائی جہازوں اور خلائی جہازوں کو جنم دیا۔ سماجی زندگی میں انسان کے اپنے تعلقات اور نئی سرگرمیوں کے حصے کے طور پر سائنس اور آرٹ کے میدانوں میں نت نئی کلچرل ضروریات ظاہر ہونے لگیں، یہاں تک کہ انسان کی زندگی میں خوراک، اور جنس (SEX) جیسی بنیادی ضروریات کو بھی تبدیل ہونا پڑا۔

انسان کا خوراک کھانے، جنسی تعلقات اور نسل بڑھانے کا عمل جانوروں سے مختلف اور جداگانہ نوعیت کا ہے اور ان کا انحصار بدلتے ہوئے معاشرتی معیارات پر ہے۔ جیسے کارل مارکس کہتے ہیں کہ ''بھوک تو بھوک ہی ہوتی ہے لیکن وہ بھوک جو پکے ہوئے گوشت، چھری اور کانٹوں سے دور کی جائے، یہ اُس بھوک سے بہت زیادہ مختلف ہوتی ہے جو ہاتھ، ناخن اور دانتوں کے ذریعے کچا گوشت کھا کر ختم کی جائے''۔ انسان نے فطرت کے بیرونی مظاہر (یعنی اپنے چاروں طرف) جو اہم تبدیلیاں کی ہیں، ان کے ساتھ ساتھ اتنی ہی اہم تبدیلیاں خود اس کی اندرونی فطرت میں بھی رونما ہوئی ہیں۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ انسان نے اپنے جسم سے بالوں کا لباس اتار کر اپنی بوزینہ والی خصوصیات سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ جانوروں کی مانند ہر چیز پر اپنا ردِعمل ظاہر کرنے کی بجائے اب انسان کی سماجی فطرت ردِعمل کی بنیاد بن گئی ہے۔ آج ہم نے وہ تمام خصوصیات (جو ابتدا میں انسان میں نظر آتی تھیں) کی بجائے سیکھنے والی خصوصیات قبول کر لی ہیں۔

یہ تھا وہ مختصر تجزیہ جس میں ہم نے انسان اور دیگر جانداروں کے درمیان موجود فرق کو عیاں کیا ہے اور یہ اس افسانے کو رد کرنے کے لیے یہ کافی ہے جس کے مطابق انسان بھی ایک جانور ہے بس تھوڑا سا مختلف ہے۔ یہ کہنا بڑی حد تک درست ہوگا کہ ابھی

Scanned by CamScanner

تک ہماری کچھ جسمانی خصوصیات جانوروں سے ملتی جلتی ہیں، لیکن ہم نے اپنے آپ کو جانوروں کی محدود زندگی سے بہت بلند کر لیا ہے۔ ہم اپنی قوتِ محنت، پیداواری عمل اور سماجی قوتوں کی بدولت اتنے بلند اور تبدیل ہوتے جا رہے ہیں کہ اب ہم نے جسمانی ساخت کی غلامی سے نجات حاصل کر لی ہے۔ درحقیقت انسان کے ارتقا کا سرچشمہ یہی ہے کہ انسان سماجی جسمانی بناوٹ سے براہِ راست آزادی حاصل کر چکا ہے۔ انسان کی سماجی زندگی کی جڑیں کلچر میں ہیں نہ کہ جسمانی ساخت میں۔ ہم اس جگہ سے ان فرضی اور خودساختہ افسانوں کو رد کرنے کی ابتدا کریں گے، جن کے مطابق جسمانی ساخت عورت کا مقدر ہے۔

عورت کو کمتر ثابت کرنے کی دلیل میں بچہ دانی کا نظریہ

علم بشریات یعنی (ANTHROPOLOGY) کی طرح علمِ حیاتیات (BIOLOGY) بھی ایک نوعمر سائنس ہے اور اس کی بھی غلط تشریح ممکن ہے۔ اس سے سطحی قسم کے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں اور سنجیدہ قسم کے سماجی سائنسی پہلوؤں والے سوالات کے جواب میں براہِ راست جھوٹ سے کام لیا جا سکتا ہے۔ جبکہ بہت سے علمِ بشریات اور حیاتیات کے ماہر، سرمایہ دارانہ سوچ اور ذہنیت کے اثر میں ہیں، جس کی وجہ سے عورت کے بارے میں سچائی کو تلاش کرنے میں انسان کو دوگنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ عورت بچہ دانی (مادی اعضاء) لیکر پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی بھی جسمانی پابندی سے نجات حاصل نہیں کر سکتی اور ہمیشہ نسل پیدا کرنے کے عمل کی غلام رہتی ہے۔

لیکن عورت کے کمتر ہونے کی دلیل میں یہ نظریہ اتنا ہی کمزور ہے جتنا کہ یہ دلیل مرد کے بالاتر ہونے کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ کس بنا پر عورت اور مرد

Scanned by CamScanner

کے نسل پیدا کرنے میں جسمانی ساخت کے فرق کے باعث یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ ان دونوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔ عورت اپنی بچہ دانی کی وجہ سے کم عقل ہوتی ہیں اور ذہنی ترقی سے دور ہونے کی وجہ سے تہذیبی اور دیگر صلاحیتیں حاصل کرنا اس کے لیے مشکل ہیں۔ دوسری جانب مرد اپنی خصوصی جسمانی ساخت کی وجہ سے مادی اعضاء کی مجبوری سے آزاد ہونے کی بنیاد پر اپنے ذہن اور اپنی صلاحیتوں کو اچھی طرح بڑھا سکتا ہے۔ یہ دونوں ہی باتیں لغو اور فضول ہیں اور ان کی کوئی بھی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حیوانات کی دنیا میں مرد اپنی فطرت سے مجبور ہے نہ کہ عورت۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مرد فطری طور پر اپنے جنسی رجحانات میں جھگڑالو خصوصیات رکھتا ہے۔ ہم مطالعے اور مشاہدے کے ذریعے یہ جانتے ہیں کہ مادہ تک پہنچنے کے لیے نر جانور آپس میں لڑتے ہیں اور ان کے درمیان سخت مقابلہ رہتا ہے۔ اکثر اوقات اسے "رقابت" اور حسد کہا جاتا ہے، لیکن صحیح معنی میں دیکھا جائے تو یہ لفظ مناسب نہیں ہیں، کیونکہ یہ جھگڑا کسی خاص مادہ کو حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک اندرونی وحشیانہ جھگڑالو جذبہ ہوتا ہے، جس میں ذاتی پسند یا محبت وغیرہ کا دخل نہیں ہوتا ہے۔ بہت سے جانور تو صرف ایسے مقامات پر جگہ حاصل کرنے کے لیے لڑتے ہیں جہاں اسکی نوع یا نسل کی مادہ پائی جاتی ہے۔ بہت سے جانور تو ایسے بھی ہیں جو مادہ کی غیر موجودگی میں آپس ہی میں لڑتے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب ان پر مستی کا دور طاری ہوتا ہے۔ حیوانات کی دنیا میں اپنی جھگڑالو جنسی خصوصیات کی بنا پر نر علیحدگی پسند اور انفرادیت پسند ہوتا ہے اور اجتماعی زندگی اختیار کرنے والے گروہوں میں شریک ہونے کا اہل نہیں ہوتا ہے اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو یہ چراہ گاہ یا نسل پیدا کرنے والے علاقے میں ایک دوسرے کی مداخلت برداشت نہیں کرتے ہیں۔ کچھ جانور، بالخصوص بڑے خونخوار جانور اکیلے ہی گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ نروں کے آپس میں باہمی عدم تعاون کی فطری مجبوری، ان کی ترقی کی راہ میں بڑی

Scanned by CamScanner

رکاوٹ بن جاتی ہے۔دوسری طرف ماں ہونے کی ذمہ داری اور اس کا علم رکھنے کی وجہ سے عورت اس قسم کی مجبوری سے بچی ہوئی ہے۔عورت اجتماعی زندگی کی ابتداء اپنے بچوں کے ساتھ کرتی ہے اور ایک ایسا ماحول قائم کرتی ہے جس میں تعاون اور معاونت کو فروغ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے خاندانی رشتے مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بہت سے جانوروں مثال کے طور پر بندروں اور شیروں میں بھی مادہ اور ان کے بچے زیادہ تر مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں۔اس کے علاوہ نر جانور زندگی کی جنگ میں صرف اپنی فکر کرتے ہیں، جبکہ مادہ اپنے ممتا کے جذبے کی وجہ سے اپنی اولاد کی پرورش اور تحفظ کے لیے بھی اتنی ہی جدوجہد کرتی ہے جتنی کہ وہ خود اپنی بقا کے لیے کرتی ہے۔اجتماعی معاملات میں مسلسل عمل دخل کے باعث مادہ، اکثر زیادہ ذہین، سمجھدار، ہوشیار اور حالات کا سامنا کرنے کے قابل ہوتی ہے۔اکثر شکاری حضرات مادہ جانور خاص طور پر بچوں والی مادہ کا شکار کرتے وقت احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ممتا کی ذہانت کا بلند ترین معیار ان دودھ پلانے والے جانوروں میں دیکھا جا سکتا ہے، جو طویل عرصے تک نومولود بچے کی پرورش کرتے ہیں۔اس کی سب سے بڑی مثال بندر ہے۔

رابرٹ آرڈی جو کہ خود مردوں کے بالاتر ہونے کا دعویدار ہے، اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ ''حیوانات کی دنیا میں ہم جتنا بھی اوپر دیکھتے ہیں ہمیں نر سے زیادہ مادہ بلند نظر آتی ہے، کافی عرصے سے نر کا اُلجھا ہوا ذہن مادہ کی بالاتر قوت کی بنیاد پر کھڑا ہے''۔ بریفالٹ تو کھلے لفظوں میں کہتا ہے کہ ''نر جانور، مادہ جانور سے زیادہ کُند ذہن ہوتا ہے''۔

ان باتوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ فطرت کے نظام میں عورت کو کم درجہ دینا ''بچہ دانی کے نظریے'' کی بنیاد ہے، لیکن دیکھا جائے تو فطرت، عورت کے حق میں جانبدار ہے، کیونکہ اس پر نسل کی بقا کا دارومدار ہے۔زندہ رہنے کی جدوجہد میں ماں کے

Scanned by CamScanner

فریضے نے ہی عورت کو زیادہ کارگر بنایا اور یہی وہ سبب تھا جس نے ہمارے آباواجداد کو فطری طریقوں پر زندگی کے لیے جدوجہد کے دور سے گزارتے ہوئے اپنی کارکردگی کے ذریعے انسان کے بقا کی منزل تک پہنچایا۔

بوزنہ سے لیکر انسان تک ارتقائی دور میں عورت مرد سے زیادہ پیش پیش رہی ہے۔عورت نے شروع سے ہی زیادہ قابلیت اور مشترکہ تعاون جیسی خصوصیات رکھنے کی وجہ سے ضروریات زندگی پیدا کرنے کی ابتدا کی۔یہی سبب ہے کہ حیوانی دنیا میں مادہ کے ساتھ رہنے کے طریقے نے قدیم انسانی سماج میں عورتوں کی حکمرانی والے قبائلی نظام (مدر سری) یا سادہ لفظوں میں عورتوں کی حکمرانی کے نظام کو جنم دیا۔اس کے سینکڑوں سال بعد جب مردانہ طبقاتی نظام (پدرسری) وجود میں آیا تو اس وقت عورت سے اسکی سماجی زندگی کے ذریعے حاصل کردہ طور طریقے چھین لیے گئے اور انہیں حیوانی سطح پر لاکر صرف ماں کے فرائض سونپ دیئے گئے۔ذاتی ملکیت اور خاندان کی بنیاد پر قائم ہونے والا سماج، جس میں مرد کو برتری حاصل تھی، اس میں عورت کی جسمانی ساخت یعنی اس کے مادی اعضا اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کو ایک ایسے استحصالی اور جبر واستبداد کی زنجیر میں باندھ دیا گیا جن میں وہ آج تک جکڑی ہوئی ہیں۔لیکن ان کی اس حالت کی ذمہ داری فطرت پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس کا ذمہ دار مرد ہے۔

جو لوگ عورت کے نیچ اور کمتر ہونے کے سلسلے میں ''اعضا والے نظریے'' کے قائل ہیں، وہ اپنے نظرے کی حمایت میں مرد کی برتری کے ختم نہ ہونے والا ایک دوسرا انتہائی غلط اور گمرہ کن نظریہ بھی پیش کرتے ہیں، اس طرح وہ حیاتیاتی سائنس (BIOLOGY) کو نظر انداز کر کے اسے دیو مالائی افسانوں کی سطح پر لے آتے ہیں۔جس میں موجودہ عہد کے مردانہ نظام کی بنیادوں پر قائم خاندان کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے اس میں اور حیوانات کی دنیا میں کوئی فرق ہی نہ ہو۔ان کی سوچ کے مطابق حیوانی خاندان کی طرح ایک

Scanned by CamScanner

نر خاندان کا سربراہ ہوتا ہے اور اس طرح مادہ اور بچے اپنی حفاظت اور خوراک کے لیے اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس لیے یہ بالاتر ہے۔ اس حیوانی ہیرو کو'' نر حاکم'' کا خطاب بھی دیا جاتا ہے۔

اوپر جن قصے، کہانیاں لکھنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ ہمارے سماج میں شوہر اور باپ کو اس روپ میں پیش کرتے ہیں، جیسے حیوانات میں ان کو نر کا کردار نظر آتا ہے، لیکن اس کا بھرپور تصور رکھنے والے اس نر حیوان کو کچھ اس طرح سے پیش کرتے ہیں جیسے وہ ایک ایسا حکمران ہو جس کا اپنا حرم ہو اور اس کی بہت سی بیویاں، کنیزیں اور غلام عورتیں ہوں اور ان کی زندگی اور قسمت کا فیصلہ کرنے والا وہی ہو۔ لیکن تخیل کی اس پرواز کے پیچھے کونسی حقیقت پنہاں ہے؟؟؟!!

نر حاکم: حقیقت اور افسانہ

حیوانات کی دنیا میں بالادست نر کا مظہر موجود ہے۔ اس سلسلے میں جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ نر نہایت جھگڑالو ہوتے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہوتے ہیں۔ جنسی محاذ پر بھی ہر نر کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مخالف کو شکست دیکر برتری حاصل کرے۔ جو فاتح ٹھہرتا ہے وہ دیگر نروں پر بھی کم از کم اس وقت تک برتری حاصل کر لیتا ہے جب تک کہ اسے کوئی دوسرا طاقتور نر شکست سے دوچار نہ کر دے۔ برتری کی اس جنگ میں جو خاص بات ہے وہ عام طور پر یا تو فراموش کر دی جاتی ہے یا بگاڑ کر پیش کی جاتی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ یہ جنگ صرف نروں کے درمیان ہی ہے۔ جب برتر نر اپنے مخالف کو شکست دے دیتا ہے تو اس وقت بھی اسے مادہ (خواہ ایک ہو یا بہت سی) پر برتری حاصل نہیں ہوتی بلکہ صرف اس تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جہاں تک مادہ کا تعلق ہے تو وہ کامیاب نر کو صرف بطور ایک سانڈ ہی قبول کر سکتی ہے اور آخر کار یہ

Scanned by CamScanner

رضامندی بھی حاملہ ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے جب وہ اس کو چھوڑ کر بچہ جننے کی تیاری اور پھر اس کی پرورش میں مشغول ہو جاتی ہے۔ نروں کی آپس کی لڑائی کے نتائج کو ایک طرف رکھتے ہوئے مادہ اپنے طور پر خود کفیل ہوتی ہے اور نر کی مدد کے بغیر اولاد کی پرورش اور دیکھ بھال کرتی ہے۔

وہ لوگ جو خود کو سائنسدان کہتے ہیں اور بچوں کے لیے کہانیاں وغیرہ بھی تحریر کرتے ہیں، وہ حیوانات کی دنیا میں بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہی کہ اس میں خاندان کا مردانہ نظام رائج ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ کئی پرندے اور مچھلیاں ایسی بھی ہیں جن کے نر انڈوں کی حفاظت میں شریک ہوتے ہیں لیکن یہ خاندانی عمل نہیں ہوتا بلکہ تخلیقی عمل کا حصہ ہے۔ حیوانات کی اکثریت اور خاص طور پر دودھ پلانے والے جانور (جن سے انسانی ارتقا کا براہِ راست رشتہ جوڑا جا سکتا ہے) کو سب نے دیکھا ہے کہ مادہ ہی بچوں کی دیکھ بھال وغیرہ کرتی ہے۔ بریفالٹ کا کہنا ہے کہ ''ہر بوڑھا جانور چاہے نر ہو یا مادہ، اپنی ضروریات خود پوری کرتے ہیں اور یہ صرف مادہ ہی ہوتی ہے جو اپنے بچوں کی خوراک کی ذمہ دار ہوتی ہے''۔

دوسرے لفظوں میں حیوانات کی دنیا میں نر کی جنسی لڑائی اور جھگڑالو طبعیت اس کے خاندانی مردانہ کردار میں رکاوٹ ہے۔ صرف انسانی دنیا میں ہی ہم مرد کو خاندان اور عورت کی طرح ذمہ دار کردار ادا کرتے دیکھتے ہیں اور یہ بھی اسی وقت ممکن ہو سکا جب انسانی سماج میں مرد نے حیوانی جسمانی خصوصیات سے نجات حاصل کر کے نئے اعلیٰ اقدار کو اپنایا۔ سماجی زندگی نے مرد کے جنسی رویے میں تبدیلی پیدا کی جس کے نتیجے میں اس نے اپنے مردانہ فرائض پورے کرنا شروع کیے۔

کہا جاتا ہے کہ چونکہ مرد لڑ سکتا ہے اس لیے وہ خاندان کی بھی حفاظت کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک خود ساختہ فرضی قصہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کچھ جانوروں میں نر مادہ اور

Scanned by CamScanner

بچوں کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کرتے وقت یہ نر مادہ یا بچوں کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی بقا کے لیے لڑ رہا ہوتا ہے۔ حیوانات کی دنیا میں ہر ایک یا تو اپنی حفاظت کے لیے لڑتا ہے یا بھاگ جاتا ہے، سوائے مادہ کے جو اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے جم کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ یعنی حیوانی خاندان جو کہ ایک چھوٹا مدرسری نظام ہوتا ہے اور اس میں حفاظت، دیکھ بھال اور پرورش وغیرہ کے فرائض مادہ ہی پورے کرتی ہے۔ ہمارے سماج کے مردانہ خاندان سے اس کی کوئی یکسانیت یا مشابہت نہیں ہے، جہاں باپ خاندان کا محافظ اور سنبھالنے والا بھی ہے اور حاکم بھی۔

مرد کی برتری کے لیے ایک دوسری دلیل جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حیوانات میں نر جسمانی طور پر گوشت پوست اور ڈھانچے کے لحاظ سے مادہ سے جثہ میں بڑا ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مادہ کا جسمانی طور پر نر سے چھوٹا ہونے کا سبب نر کی لگتار جارحانہ اور جھگڑالو فطرت ہے۔ ہنری سنن کا کہنا ہے کہ ''جسمانی طور پر جو جانور قد کاٹھ میں دوسروں سے بڑا ہوتا ہے، وہ دوسروں کے مقابلے میں اتنا ہی زیادہ کھاتا ہے اور ایک نوع کے جانوروں میں جو زیادہ طاقتور نر ہوتا ہے اس کی مادوں تک پہنچ آسان ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ مرد کے جسمانی گوشت پوست کی طاقت کی وجہ سے انھیں عورت پر کسی قسم کی برتری حاصل ہے، جبکہ اس کی جسمانی طاقت اس کو دیگر کمزور مردوں سے برتر بنا سکتی ہے''۔

فطری طور پر دیکھا جائے تو کسی نر کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ مادہ ہی کرتی ہے، چاہے وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ قبولیت بھی صرف اتنے عرصے کے لیے ہوتی ہے جب تک مادہ یہ محسوس نہ کرے کہ نر کی موجودگی اس کے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے اسے کوئی پریشانی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب مادہ بچہ جننے والی ہوتی ہے تو نر اسے بالکل اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے

Scanned by CamScanner

کہ وہ لوگ کس قدر غلط بیانی سے کام لے رہے ہوتے ہیں جب وہ حیوانی دنیا میں بھی انھیں بے بس دکھاتے ہیں اور انسانی سماج میں بھی یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے تحفظ کا انحصار باپ یا شوہر پر ہے۔ خاص طور پر پدرسری (مردانہ) خاندانی نظام ایک انسانی ادارہ ہی ہے اور یہ ہماری معاشرتی تاریخ میں کافی عرصے بعد ذاتی ملکیت اور طبقات کے پیدا ہونے کے ساتھ وجود میں آیا۔ بچہ دانی کا نظریہ اور حیوانی مردانہ نظام کے خود ساختہ قصے ایک ساتھ ہی پھیلائے گئے، تاکہ عورت کو کمزور ثابت کیا جائے، اس طرح عورت کے بنیادی سماجی حقوق کو دبانے کے لیے جان بوجھ کر حیاتیات (Biology) اور حیوانیات (Zoology) کی سائنس کو بگاڑا گیا ہے۔

آیئے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حیاتیات (Biology) کو بگاڑنے والوں نے کس طرح علم کا سہارا لیا ہے۔

شکار کا نظریہ اور عورت کی ذلت و کمتری

اس نظریے کی بنیاد محنت کی اس پہلی تقسیم پر رکھی گئی ہے جو مرد اور عورت کے درمیان وجود میں آئی، جس کے مطابق مرد کا کام شکار کرنا اور جنگ کرنا ٹھہرا جبکہ عورت کا کام خوراک حاصل کرنا اور گھر وغیرہ کے دیگر مسائل کا سامنا کرنا تھا۔ شکاری مرد کے کردار کو نہایت ہی اعلیٰ و برتر دکھایا جاتا تھا، جبکہ عورت کی محنت کو نیچ اور ادنیٰ درجے کا سمجھ کر پیش کیا جاتا تھا۔ ماں ہونے کے ناتے عورت کی جو مجبوریاں تھیں اس کی وجہ سے وہ اپنا جھونپڑا یا رہائش گاہ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ محنت کی اس پرانی تقسیم میں زیادہ اہم کردار مرد کا نہیں بلکہ عورت ہی کا تھا۔

سب سے پہلے ہم خوراک کے مسئلے کو لیتے ہیں جو کہ ایک بنیادی ضرورت ہے اور جسے پورا کیے بغیر دیگر کام نہیں ہو سکتے۔ شکاری مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ خوراک

Scanned by CamScanner

اکھٹا کرتی تھیں، شکار خطرناک بھی ہوتا تھا اور مرد اکثر خالی ہاتھ لوٹتے تھے اُس وقت عورتوں کی جمع کی ہوئی خوراک ہی کام آتی تھی۔ خوراک پر قبضہ بھی عورتوں کا ہوتا تھا جسے وہ نہ صرف روزانہ استعمال کرتی تھیں بلکہ آئندہ کے لیے بچا کر بھی رکھتی تھیں۔ یعنی قدیم اشتراکی سماج میں عورتوں کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی تھی، لیکن یہ تو صرف عورتوں کے کام کی ابتدا تھی۔ یہاں عورت کی جفاکشی کے کردار پر زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس دور میں مرد خوراک کے لیے شکار میں مصروف ہوتا تھا اس دور میں عورتیں چمڑے کی اشیاء، مٹی کے برتن بنانے، اور مختلف قسم کے کام کرتے ہوئے خوراک کے لیے جڑی بوٹیوں کو آزما رہی تھی اور اس طرح سائنسی علوم کی ابتدا کر رہی تھی۔ (معلوم نہیں کہ اس دور میں کتنی عورتیں خوراک کے لیے تجربات کرتے ہوئے زہریلی بوٹیاں اور پتے چبھا کر اپنی زندگیوں سے محروم ہوگئی ہونگیں، اس کا کوئی حساب نہیں ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ آج ہم جو اجناس اور سبزیاں وغیرہ استعمال کرتے ہیں اس کے پیچھے قدیم عہد کی عورت کے جان لیوا تجربات اور لازوال قربانیاں ہیں۔ مترجم) اسی دور میں عورت ایک طرف تو نوکیلی لکڑی سے زمین کھودتے ہوئے زراعت کی ابتدا کر رہی تھی تو دوسری جانب جنگلی جانوروں کو پالتو بناتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والے گوشت، اون، دودھ وغیرہ کی اہمیت کو اجاگر کر رہی تھی۔ یہی وہ بنیادی قدم تھے جو انسانی تہذیب کی بنیاد بنیں، جن کی بدولت انسان کو شکار کی تکلیف دہ زندگی سے نجات حاصل ہوئی اور انسان اعلیٰ قسم کے پیداواری عمل کے قابل ہوسکا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی بار جب جنس کی بنیاد پر محنت کی تقسیم عمل میں آئی تو اس وقت اہم کردار شکاری مرد کا نہیں بلکہ عورت کا تھا۔ مرد کی برتری کے دعویداروں نے قدیم سماج میں عورت کے پیداواری عمل کی اہمیت کو نظر انداز کرنے میں انتہائی بے انصافی کی ہے اور وہ اسے محض گھریلو نوعیت کا کام ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن دیکھا جائے تو اس دور میں الگ الگ خاندانوں کا وجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی ملکیت رکھنے والا کوئی حکمران

Scanned by CamScanner

طبقہ تھا جو عورت کی محنت کا اجر حاصل کرنے کے لیے اسے خاندان کی غلامی پر مجبور کرتا، بلکہ قدیم گھرانے ایک طرح سے سماجی زندگی کے محور ہوتے تھے۔ اپنے زمانے کے لحاظ سے فیکٹریاں، درسگاہیں، تجربہ گاہیں، دواخانے اور اجتماعی گھروں سمیت ساری چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ اس دور کے مدرسری نظام میں مشترکہ طور پر کام کرنے والی عورت، آج کی عورت سے بہت زیادہ مختلف تھی، جبکہ موجودہ دور کی عورت کا محور اس کے گھر کی محدود دنیا ہے۔

یہاں ہمارا مقصد مرد کی اس قابلیت کو نظر انداز کرنا نہیں ہے جو اس نے اپنے شکاری دور میں حاصل کی، بلکہ ہم صرف توازن قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت میں نہ صرف عورت کے کام کی اہمیت کو نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ مرد کے شکار کرنے والی محنت کی بھی صحیح قدر نہیں کی گئی ہے۔ اس دور کی سماجی اور معاشی ارتقا کی مناسبت سے مخصوص حالات میں تقسیمِ محنت کی ضروت کے مطابق مردوں اور عورتوں میں کام بانٹا جاتا تھا۔ متعدد لکھاریوں نے مردوں کے شکار کے کارنامے کو عورتوں کے کام پر زیادہ فوقیت دیکر عورت کو محض خوراک جمع کرنے کا ''نیچ'' کام کرتے ہوئے دکھایا ہے جبکہ مردوں کو جنس کے لحاظ سے بالاتر اور لڑاکا شکاری و سپاہی کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک اور امریکی جانبدار سائنسدان بھی مردوں کی حمایت کرتا ہے، اس کے خیال میں عورتوں کے راہ میں بچہ جننے اور اس کی پرورش کرنے کی دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں۔ جبکہ قدیم دور میں مرد نے اپنی تیز رفتاری اور جسمانی قوت کے بل بوتے پر شکار جیسا اہم کام سر انجام دیا۔''

ہم یہ بات تو تسلیم کرتے ہیں کہ مردوں کی جھگڑالو عادات نے انھیں شکاری بنانے میں کافی سہولت فراہم کی، لیکن ہم اس خیال کو رد کرتے ہیں جس کے بموجب عورتیں اپنی بچہ دانی کی وجہ سے جسمانی طور پر شکار کرنے سے قاصر تھیں۔ اگر ہم حیوانات کی دنیا پر نظر ڈالیں تو اس غلط فہمی کو بڑی آسانی سے رد کیا جاسکتا ہے کیونکہ لڑاکا جانوروں میں مادہ بھی

Scanned by CamScanner

اتنی ہی اچھی شکاری ہوتی ہے جتنا کہ نر ہوتا ہے۔ شیرنی اور مادہ چیتے کی راہ میں اس کی بچہ دانی (مادہ اعضاء) رکاوٹ نہیں بنتے اور نہ ہی کسی مجبوری یا معذوری کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن انسان کا ارتقا وحشی جانوروں سے نہیں بلکہ خوراک جمع کرنے والے بن مانس (بوزنہ) سے ہوا ہے، اس لیے جو عورتیں اپنی کمتری کے ''شکاری نظریے'' کو رد کرنا چاہتی ہیں اُن کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ان سب اسباب کی اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھائیں جن کے باعث محنت کی پہلی تقسیم میں ان کو شکار کا کام نہیں سونپا گیا تھا، بلکہ اتنا ہی کافی ہوگا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں نے جو اہم اور مختلف کام سرانجام دیئے ہیں وہ انھیں مزید واضح کریں۔ خواہ اس کا سبب کوئی بھی ہو لیکن مختلف سرگرمیوں میں عورتوں نے مردوں کے لیے ایک ہی کام چھوڑا تھا یعنی شکار کا۔ آخر کار ثابت ہو جاتا ہے کہ عورت کی کمزوری کے سلسلے میں ''شکار کا نظریہ'' بھی اتنا ہی لغو اور فضول ہے جتنا کہ ''بچہ دانی کا نظریہ'' جن کے ذریعے ایسے نظریے وجود میں آئے جن میں سے ایک علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کی غلط تشریح کرتا ہے اور دوسرا حیاتیات (BIOLOGY) کے علم کی من مانی تشریح کرتا ہے جو جھوٹے سائنسدانوں کو عورت کی کمتری کے لیے پروپیگنڈا کرنے کا مواد فراہم کرتا ہے۔

کیا عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے؟

عورتوں کی آزادی کی تحریکوں کے ابھرنے کے دوران کچھ غیر سائنسی نظریات سے متاثر ہو کر علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کے ماہرین اور خواتین لکھاریوں نے بہت سے بے بنیاد اور فرضی نتائج اخذ کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تاریخ میں عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے نہ کہ صرف مرد کی بالادستی کے ''پدرسری نظام'' کے دور میں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ قدیم زمانے میں اگر وہ پدرانہ دور کی طرح اپنے باپ

Scanned by CamScanner

اور شوہر کے مظالم سے آزاد تھی لیکن وہ اپنے بھائی اور ماموں کے تابع تھی۔ دنیا کے مختلف حصوں میں آج بھی قدیم طرز کے کچھ ایسے معاشرے نظر آتے ہیں جہاں ملے جلے مدرسری نظام کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان معاشروں میں خاندان کا شجرہ ماں کے حوالے سے ہی بنتا ہے اور ان معاشرون میں ماموں کا وہی کردار ہوتا ہے جو پدرانہ نظام میں باپ کا ہوتا ہے۔ یہ باقی ماندہ معاشرے مدرسری نظام کی باقیات میں سے ہی ہیں اور مدرسری نظام سے متاثر ہو کر تبدیل ہوتے ہوئے بھی سابقہ سماجی نظام کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انیسویں صدی میں جب علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کے ماہرین نے اپنا کام شروع کیا تو اس وقت زیادہ تر قدیم قبیلوں کا ڈھانچہ تبدیل ہو چکا تھا۔ پہلے جن قبائل میں ماں اور ماموں یا بہنوں اور بھائیوں سے خاندان کی شناخت ہوتی تھی، اب اس کی جگہ ایسے خاندان کا رواج شروع ہوا جسے مارگن نے ''جوڑے دار خاندان'' کا نام دیا تھا، لیکن اس قسم کا خاندان ابھی تک اس پدرانہ خاندان سے بالکل مختلف تھا جس نے طبقاتی سماج کو جنم دیا تھا۔ قبیلے سے باہر کا مرد مدرسری گروہ میں ایک عورت کے شوہر کی حیثیت سے داخل ہوتا تھا جو بیوی بچوں کی کفالت کر سکتا تھا لیکن اس کی حیثیت دوسرے درجے کی ہوتی تھی اور خاندان میں اہمیت ماں اور اسکے بھائی یعنی ماموں کی ہی ہوتی تھی۔

علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کے میدانی علاقوں کے ماہرین جب تاریخی نقطۂ نظر سے قدیم قبائلی گروہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ خود کو بڑی پریشانی میں مبتلا پاتے ہیں ۔ٹروبریانڈ جزیرے کے لوگوں کے بارے میں مالینوسکی کا کہنا ہے کہ ان کے ہاں تمام خاندانی اور سماجی رشتے قانوناً مدرسری حوالے سے شمار کیے جاتے ہیں۔ عورتیں نہ صرف قبیلے کے روزمرہ کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتی ہیں بلکہ معاشرتی اور ساحرانہ رسومات وغیرہ کی سرگرمیوں میں بھی پیش پیش رہتی ہیں ۔ ہر چند کہ اس جزیرے میں جوڑے دار خاندان کا رواج مکمل طور پر قائم تھا اور مالینوسکی وہاں گھوم پھر کر اس سماج میں

Scanned by CamScanner

باپ کی حیثیت کو تلاش کر رہا تھا مگر دیکھا جائے تو اس سماج میں اس وقت تک ماں کے شوہر کو حقیقت میں باپ کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ مالینوسکی کے مطابق وہاں لفظ ''ٹاما'' کا مطلب باپ ہوتا ہے، لیکن مقامی افراد کے مطابق اس کا ترجمہ ''میری ماں کا شوہر'' ہے۔ بسا اوقات یہ لفظ ''ٹاما کاواتی'' بن جاتا ہے جس کے معنی ہیں ''اجنبی یا باہر سے آنے والا'' دوسرے لفظوں میں یہ وہ شخص ہوتا ہے جو خاندان میں باہر سے داخل ہوتا ہے اور جس کی شناخت کئی ایک جگہوں پر ماں کے شوہر کی حیثیت سے ہوتی ہے مگر باپ ہونے کے ناتے اس کا کوئی رتبہ نہیں ہوتا۔ وہ مرد جو بچوں کی دیکھ بھال کرتا تھا وہ ماں کا بھائی ہی ہوتا تھا۔

مالینوسکی کہتا ہے کہ اس قبیلے میں سماجی مقام بھی ماں کی نسبت سے حاصل ہوتا تھا جہاں ایک فرد کے حوالے سے اس کی بہن کی اولاد کو جانا جاتا تھا اور رشتہ داری کا یہ تصور بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ چونکہ ماں کے رشتے داروں سے تعلق قائم کرنے سے مقاصد اور دلچسپیوں میں مماثلت پیدا ہوتی ہے لہذا اس گروہ میں شادی کے نتیجے میں قائم ہونے والے رشتوں یا باپ اور بیٹے کے حوالے سے خاندانی تعلقات کا وجود ہی نہیں تھا۔ ازدواجی رشتے کے نتیجے میں ماں کی طرف کے رشتے والے قبیلے پر جو دہرا اثر پڑا اس کی طرف مالینوسکی ہماری خصوصی توجہ دلاتا ہے کیونکہ اب خاندان میں بیٹا دونوں مردوں کی طرف دیکھتا اور خود کو ان کے درمیان منقسم محسوس کرتا ہے۔ ایک طرف طے شدہ ماں کا بھائی یعنی ماموں ہوتا ہے جبکہ دوسری جانب نیا آیا ہوا شخص یعنی ماں کا شوہر ہوتا ہے۔ لیکن مالینوسکی جو اہم بات ہمیں نہیں بتا سکا وہ یہ تھی کہ اس جزیرے کے لوگ مدرسری نظام سے پدرسری نظام کی طرف ارتقائی دور میں تھے۔

انیسویں صدی میں علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کے ابتدائی ماہرین نے بہت سے ایسے قبیلوں کا کھوج لگایا ہے جو مدرسری رشتے داری کی سماجی تنظیم سے گزرتے ہوئے پدرانہ نظام کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ دنیا

Scanned by CamScanner

میں ہر جگہ مدرسری حقوق پر پدرسری حاکمیت نے مستقل مداخلت کی ہے اور ہمیں مدرسری ادارے ارتقائی دور میں نظر آتے ہیں۔ ان باقی ماندہ قبیلوں میں جو ابھی ارتقا کے دور میں تھے، وہاں عورت کی حیثیت تبدیل نہیں ہوئی تھی اور انھیں سماج میں عزت کا مقام اور معاشی آزادی دونوں حاصل تھیں۔ لیکن جہاں پدرسری رشتے مضبوط ہو رہے تھے وہاں معیشت پر مرد کا قبضہ تھا اور عورت کا مقام اتنا ہی گرا ہوا تھا جتنا کہ طبقاتی سماج میں ہوتا تھا۔ ان علاقوں میں نہ صرف باپ اور شوہر بلکہ بھائی بھی ظلم کرنے میں شریک ہوتا تھا۔ قدیم عورت کی مظلومیت میں اکثر آسٹریلیا کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن اسپنسر اور گلن کے مطابق موجودہ حالت اور قدیم زمانے کے روایتی دور میں بڑا فاصلہ ہے، پرانے دور میں عورتوں کا مقام موجودہ دور سے زیادہ بلند اور بالکل مختلف تھا۔

رابرٹ بریفالٹ مختلف جائزوں کو یکجا کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مردانگی (مرد کی بالادستی) اور عورت کی گری ہوئی حیثیت، یہ سب باتیں نسبتاً نئی ہیں اور انھوں نے عورت کی گزشتہ پروقار اور بااثر حیثیت کی جگہ لے لی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آسٹریلیا کے مقامی باشندے نہ صرف قدیم ہیں بلکہ ایک لحاظ سے تباہ ہوتی نسل بھی ہے اس لیے رابرٹ بریفالٹ کے نزدیک مرد کی بالادستی انکے ہاں رواج میں آتے ہی اپنے انتہا پر پہنچ چکی ہے۔ ایک ایسے خطے میں جہاں سفید فام لوگوں کے آنے کے بعد بیماریوں اور دیگر اسباب کے باعث مقامی لوگوں کی آبادی سو سال کی مدت میں 5 لاکھ سے کم ہو کر صرف 50 ہزار رہ گئی ہے۔ یہ کوئی حیرت ناک بات نہیں ہے اسکے برعکس بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں اب بھی مدرسری دور کی رسمیں برقرار ہیں جہاں نہ تو عورت کو نیچ سمجھا جاتا ہے نہ مرد کو۔ جنوبی امریکا کے ریڈ انڈین قبیلوں میں تو نہ عورت مظلوم ہوتی تھی اور نہ ہی مرد کی بالادستی تھی۔ لیکن جب یورپ سے آئے ہوئے مہذب لوگوں نے ان کی زمینیں بندوق اور شراب کے عوض خریدنا شروع کی تو صورتحال تبدیل ہونے لگی۔ ریڈ انڈین عوام کے قدیم

Scanned by CamScanner

دستاویز ''لافیتو'' میں لکھا ہے کہ ''اس سے بڑی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ عورت عظیم ہے۔ یہ عورت ہی ہے جس سے قوم تشکیل پاتی ہے، خاندان کا شجرہ بنتا ہے، آنے والی نسل کی تربیت ہوتی ہے اور خاندان کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی حاکمیت عورت ہی کی ہے اور ملک کے سارے کھیت کھلیان اسی کے ہیں۔ وہ صلاح و مصلحت کی جان ہے اور جنگ اور امن کا فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے''۔

گولڈن کے مطابق عورتیں سرداروں کے انتخاب پر بھی اثر انداز ہوتی تھیں اور وہ سرداروں کی تمام سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہوئے ان کی نگرانی بھی کرتی تھیں۔ خاص طور جنگ کے معاملات میں بزرگ خواتین مطمئن نہ ہونے کی صورت میں سرداروں کو برطرف کر دیتی تھیں اور گروہوں میں عوامی رائے مردوں کی بانسبت عورتوں سے قائم ہوتی تھی۔ آگے چل کر گولڈن لکھتے ہیں کہ ''معلوم نہیں کتنی تباہ کن جنگوں سے ان بزرگ خواتین کے مشوروں نے لوگوں کو بچایا ہوگا''۔ زمینوں کی خریداری کے سلسلے میں نوآبادیاتی حکومتوں نے جو دستاویزات تیار کیے ہیں ان میں زیادہ تر پر عورتوں کے دست خط اس بات کا ثبوت ہے کہ اُس دور میں عورتوں کو بالادستی حاصل تھی۔ بریفالٹ امریکا کے ریڈ انڈین قبیلے ''اروقوا'' سے تعلق رکھنے والے ایک مرد اور گورنر ''کلنٹن'' کے درمیان ہونے والی گفتگو سے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہے وہ شخص یورپ کے سفید فام باشندوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے رویے کی شکایت کرتا ہے جو عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انھیں بتاتا ہے کہ ریڈ انڈین عورت کا کتنا احترام کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ''بھائیو! ہماری بزرگ خواتین کے مشوروں کو بالخصوص انتظامی امور دیکھنے والی عورت کے مشوروں کو رد کرنے اور تضحیک کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ دھرتی سے ان کا اٹوٹ رشتہ تھا، کون کہتا ہے کہ ہم اپنے باپ اور دادا کی وجہ سے دنیا میں آئے ہیں؟ ہماری زمین کون جوتتا ہے سوائے عورت کے؟ کون آگ کو روشن کرتا ہے اور کون کھانا تیار کرتا ہے سوائے عورت کے

Scanned by CamScanner

؟ میرے بھائی ہماری عورتوں کا کہنا ہے کہ وہ آپ سے خطرہ محسوس کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جس طرح ان کے بزرگوں نے عورتوں کا احترام کیا تھا، اسے نظر انداز نہ کیا جائے ۔ہمیں حقارت سے نہیں دیکھا جائے، عظیم روح نے ہمیں تخلیق کیا ہے، انتظامی امور دیکھنے والی عورتیں چاہتی ہیں کہ ان کے بولنے کی آزادی برقرار رہے جو انکے بزرگوں نے دل سے چاہی تھی کیونکہ یہی قوم کی جان ہے''۔

یہ ثابت کرنا انتہائی دشوار ہے کہ عورتیں ابتدا سے ہی مظلوم رہی ہیں یہ حقیقت ہے کہ کچھ قدیم علاقوں میں عورتوں پر اتنا ہی ظلم کیا گیا تھا جتنا کہ پدرسری نظام کے مہذب اقوام میں رائج تھا، لیکن اس سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ عورتیں ہمیشہ مظلوم رہی ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کچھ علاقوں میں (سارے علاقوں میں نہیں) ماں اور بہن کے ساتھ ساتھ ماموں کا رتبہ بھی گھٹ گیا۔اب یہ ہوا کہ پدرسری سماج میں ماں کے کئی بھائی یعنی ماموں ایسے بھی تھے جو سماج میں ظلم کرنے والے مردوں کو مثال بنا کر اپنی خواتین پر مظالم ڈھانے لگے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو پدرسری نظام قائم ہونے سے قبل عورتوں پر مردوں کی بالادستی کا کوئی وجود نہیں تھا اور نہ ہی اس کے برعکس عورت مرد پر حاوی تھی، قبائلی خاندان میں مشترکہ طور پر رہنے کا نظام رائج تھا، یعنی یہ مساوی برابری کا نظام تھا۔ ہر شعبۂ زندگی میں (معاشرتی، سماجی، جنسی) معاشرے کا ڈھانچہ برابری پر قائم تھا اور اس کا یہی مطلب ہے کہ عورتیں ہمیشہ سے مظلوم نہیں تھیں۔عورتوں کی مظلومیت اس ظالمانہ سماج میں ایک جزوی حصہ تھا جس نے قدیم اجتماعی مدرسری نظام کی جگہ لی اور بچہ دانی کے نظریے کی طرح مستقل مظلومیت کے ثبوت میں قرابت کا نظریہ پیش کیا جو دراصل ایک خوبصورت دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

عورتوں کی آزادی کی تحریک میں شریک عورتوں کو چاہیے کہ ان دونوں گمراہ کن

Scanned by CamScanner

نظریات کو رد کر دیں ۔ بدقسمتی سے کئی ایک نامور اور بااثر عورتیں بھی ان گمراہ کن نظریات سے دھوکہ کھا چکی ہیں ۔ یہاں ہم کیٹ ملیٹ کی مثال دیں گے جو عورتوں کی جدوجہد میں شریک تھی اور جسمانی ساخت کے باعث عورت کی کمزوری کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی، لیکن علم بشریات (ANTHROPOLOGY) کے ماہرین کی غیر تاریخی باتوں سے متاثر ہو رہی تھی ۔ وہ اپنی کتاب ''جنس اور سیاست'' میں لکھتی ہیں کہ ''قدیم دنیا ہو یا مہذب دنیا یہ دونوں دراصل مردوں ہی کی ہیں اور عورت پر ہمیشہ ظلم ہی ہوتا رہا ہے ۔ یہ ظلم یا تو پدرسری نظام میں مردوں کی طرف سے ہوا ہے یا قرابت رکھنے والے افراد (چچا، ماموں) وغیرہ کی طرف سے ہوا ہے'' ۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ اعتراف بھی کرتی ہے کہ اسے اس بات کا علم بھی نہیں کہ تاریخ میں کبھی مدرسری نظام کا وجود بھی رہا ہے ۔

فائرسٹون اپنی کتاب ''مابعد الطبعیات جنس'' میں عورتوں کی ابدی مظلومیت کے بارے میں اور بھی زیادہ غلطیوں کا شکار ہوئی ہے ۔ اس سلسلے میں وہ مردوں کے بنائے ہوئے راگ الاپتی ہیں ۔ اس کے بقول عورت کی مظلومیت لکھی ہوئی تاریخ سے زیادہ پرانی ہے اور اس کے آثار حیوانات کی دنیا میں بھی دریافت ہوئے ہیں ۔ اس کا کہنا ہے کہ اپنی جسمانی ساخت کے باعث عورت میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ پیداواری کاموں میں حصہ لیتی ۔ لیکن یہ بات کہہ کر فائرسٹون دورِ قدیم کی عورتوں کی بے پناہ محنت سے بے خبر ہوتے ہوئے اپنی جہالت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے مزید کہتی ہے کہ عورت اپنی جسمانی ساخت کی وجہ سے زندگی کی پُراسرار تبدیلیوں کی غلام رہی ہے ۔ دراصل فائرسٹون عورت کے نسل پیدا کرنے اور بچے پالنے والے مخصوص کردار کے سلسلے میں مردوں کی پیش کردہ باتوں اور خیالات کو ہی دہراتی ہے ۔ اس لیے وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ عورتیں ہمیشہ اپنی جسمانی ساخت کے رحم و کرم پر رہی ہیں ۔ جس کی وجہ سے انھیں مردوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے، چاہے

Scanned by CamScanner

یہ مردان کے قبیلے کے ہوں یا شوہر یا باپ ہو۔ فائرسٹون مکمل طور پر مادی اعضا کے نظریے کا شکار ہو چکی ہے۔ وہ مارکس اور اینگلز کو خاطر میں ہی نہیں لاتی، وہ کہتی ہے کہ انہیں ایک مظلوم طبقے کی حیثیت سے عورتوں کے بارے میں علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ اس بات پر اڑی نظر آتی ہے کہ عورت کی مظلومیت اس کے بچے جننے والی جسمانی ساخت اور بناوٹ کی وجہ سے ہے نہ کہ پدرسری نظام جیسے انقلاب کے اچانک برپا ہونے کی وجہ سے۔ دراصل حقائق کا جائزہ لیے بغیر فائرسٹون کسی طوطے کی طرح عورتوں کے خلاف مصروفِ جنگ مردوں کی باتوں کو دہراتی ہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ موضوع سے واقفیت کے باوجود کچھ علمِ بشریات کی ماہر عورتیں بھی ایسی غلطیاں کر بیٹھی ہیں۔ اس کا سبب شاید وہ ماحول ہے جو ماہرین کے حلقوں میں رائج مردوں کی برتری اور سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی پر مشتمل ہے، جس سے یہ ماہر عورتیں متاثر ہوتی ہیں اور یوں پیچھے ہٹتے ہوئے وہ بھی ان افسانوں پر یقین کرنے لگتی ہیں کہ عورت ہمیشہ سے ہی نیچ اور مظلوم ہے۔

علمِ بشریات (ANTHROPOLOGY) کی انگریز ماہر لوسی مئیر کہتی ہے کہ ''سیدھے سادھے نظام والے سماجوں میں تو کیا بلکہ کسی صنعتی طور پر ترقی یافتہ سماج میں بھی عورتیں مکمل طور پر آزاد نہیں ہوتی ہیں۔ وہ ہمیشہ مردوں پر ہی انحصار کرتی ہیں چاہے وہ بھائی ہو، شوہر ہو یا باپ''۔ یہ بغیر دعوئے کے اور جھجک سے کئی ہوئی بات تو اس باقی ماندہ مدرسری رشتوں پر مشتمل خاندان پر بھی پورا نہیں اترتی ہے، جہاں آج بھی سماج میں عورتوں کو عزت کا مقام حاصل ہے۔ لوسی مئیر کا یہ دعویٰ اس دور کے لیے بھی غلط ہے جب سماجی تنظیم میں مدرسری نظام رائج تھا اور مردوں کو برتری حاصل نہیں تھی۔ کیتلین ابرلی نے اپنی کتاب ''مدرسری رشتے'' میں بہترین باتیں لکھی ہیں لیکن وہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ عورتیں ہمیشہ مظلوم رہی ہیں۔ عورتوں کی آزادی کی تحریک کے سلسلے میں لکھے گئے ایک

Scanned by CamScanner

مضمون میں وہ لکھتی ہے کہ ''مرد حضرات باقاعدہ طریقے سے عورتوں کا استحصال کرتے ہیں اور اس کا سبب دولت کا ارتکاز ہے، جس کی پشت پناہی ریاست کرتی ہے''۔ یہاں تک تو وہ مارکسی نظریے سے جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ اس وقت تاریخی مادیت کے راستے سے ہٹ جاتی ہے جب وہ کہتی ہے کہ ''یوں معلوم ہوتا ہے کہ شکاری سماج میں کچھ باتوں اور معاملات میں عورتوں کا درجہ دوسری جنس کا تھا اور وہ آخر کار مردوں کے ماتحت تھیں''۔ یہ بات کچھ شکاری خاندانوں کی حد تک تو درست ہوسکتی ہے جو ماضی قریب میں اپنی حالت تبدیل کر چکے ہیں، لیکن مدرسری اجتماعی دور کے شکاری خاندان کے سلسلے میں یہ بات درست نہیں لگتی۔

ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مردوں کو ان کی شکار کرنے والی قابلیت یا صلاحیت کے باعث عورت پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں تھی۔ مرد کی برتری اور عورت کی مظلومیت کا سبب نجی ملکیت کی ابتدا، طبقاتی تقسیم اور پدرسری نظام ہے۔

محنت کی سماجی اور خاندانی تقسیم

اب ہم اس جگہ پر پہنچیں ہیں کہ جہاں ہمیں اس افسانے کی گتھی کو سلجھانا ہے جسکے مطابق عورت دوسرے درجے کی کمتر جنس ہے۔ اس کا تعلق قدیم دور اور آج کی مہذب دنیا میں عورت اور مرد کے درمیان محنت کی تقسیم کا جو واضح فرق ہے اسے ظاہر کرنا ہے۔ موجودہ پروپیگنڈے کے مطابق یہ تقسیم ہمیشہ ایک سی رہی ہے یعنی عورت کا کام گھر اور خاندان تک محدود رہا ہے۔ انسانی تاریخ کی ابتدا سے ہی یہ سمجھا گیا ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محنت کی تقسیم ہر خاندان میں ہوتی تھی، شوہر کام کے لیے باہر جاتا ہے جبکہ بیوی گھر میں ہی رہتی ہے تاکہ بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کر سکے۔ اس سلسلے میں گھر کا کام کاج کرنے والی کچھ عورتیں اس بات پر شدید برہم ہیں کہ مردوں کو ان کی محنت کی اجرت ملتی ہے

Scanned by CamScanner

لیکن عورتوں کو اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا اور اس ناانصافی کی جڑیں تا حال مزید گہری ہیں جسکا اس چار دیواری میں اکتا دینے والے کاموں میں مصروف مجبور عورتوں کی ہر طرح سے ویران زندگی میں بڑا عمل دخل ہے۔ عورتوں کو اس طرح کے اجتماعی کاموں سے محروم رکھا جاتا ہے جن کے ذریعے انھیں معاشی آزادی حاصل ہو سکے، اس طرح کے کام زیادہ تر مردوں کے لیے ہی مخصوص ہوتے ہیں، اچھی عورت بننے کے لیے شادی اور خاندان کو زندگی کا مقصد بنانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش کو روکنے اور اسقاطِ حمل کے رجعت پسندانہ قوانین اور رسم و رواج کی وجہ سے عورتوں کو اپنی مرضی اور خواہشات کے برعکس بچے پیدا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ بچوں کی پرورش کے مراکز نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پرورش اور دیکھ بھال کا کام بھی ایک بوجھ بنکر رہ جاتا ہے۔ مذہب کے ٹھیکہ دار اور سرکاری افراد کہتے ہیں کہ ''چونکہ خاندان کا وجود ہمیشہ سے رہا ہے اس لیے عورت کی جگہ گھر ہی ہے، جہاں اسے شوہر اور بچوں کی خدمت کرنی چاہیے''۔ لیکن ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ نسل پیدا کرنے کا عمل ایک فطری عمل ہے جبکہ خاندان کا ادارہ انسان کا بنایا ہوا ہے۔ عورتیں ہمیشہ نسل پیدا کرتی رہی ہیں لیکن وہ ہمیشہ کسی ایک اکائی میں الگ تھلگ ایک ہی شوہر اور خاندان سے جڑی ہوئی نہیں رہیں۔ عورتوں کی کمتری میں بچہ دانی کا نظریہ پیش کرنے والوں کا آخری حربہ یہی ''ابدی خاندان'' کا نظریہ ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان محنت کی پہلی تقسیم شوہر اور بیوی کے درمیان نہیں ہوئی، جیسا کہ آج کل عام طور پر مرد باہر کام کرتے ہیں اور عورتیں گھروں میں مصروف رہتی ہیں۔

قدیم دور میں سماجی محنت یوں ہوتی تھی کہ اس میں مرد اور عورت دونوں ہی مشترکہ طریقے سے پیداوار کرتے تھے جبکہ اسکے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم و تربیت بھی مشترکہ طور پر کی جاتی تھی جس میں عورتیں بچیوں کو مستقبل کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے تیار کرتی تھیں اور بچوں کو مردوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا جو انکے استاد اور نگران کے فرائض

Scanned by CamScanner

سرانجام دیتے تھے۔ پیداواری عمل اور نسل پیدا کرنا دونوں جنسوں
(مرد وعورت) کا مشترکہ سماجی فعل تھا۔ جب مدرسری اجتماعی نظام زوال پذیر ہوا
اور وہ سماجی پیداواری عمل جس میں شامل ہونے کی بنیاد پر دونوں جنسوں میں برابری تھی اس
میں سے عورت کو خارج کر دیا گیا اسی سے خاندان میں عورت کی غلامی کی ابتدا ہوتی
ہے، اسکے بعد مردوں نے محنت کی نئی تقسیم کو رائج کیا۔ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ زراعت اور
مویشی پالنے کے باعث ایک نئی معیشت نے جنم لیا جس میں پہلے درجے کی جنس کی بنیاد پر
محنت کی تقسیم کی بجائے دوبارہ محنت کی تقسیم عمل میں آئی۔ مثال کے طور پر مویشی پالنے والے
کسانوں سے لیکر دھاتوں کا کام کرنے والے، کشتیاں اور جہاز بنانے والے اور کپڑا بننے
سے برتن بنانے والوں تک ہر کام ایک دوسرے سے الگ تھا۔ روزگار کی بنیاد پر محنت کی
تقسیم کے ساتھ ساتھ ثقافتی تقسیم بھی عمل میں آئی، جیسے پجاری، سائنسدان، مصور اور
سنگتراش وغیرہ۔ اس عمل کے دوران دونوں جنسوں (مرد وعورت) کے کردار کی شکلوں میں
بنیادی تبدیلیاں ظاہر ہوئیں اور جیسے جیسے محنت کی مزید تقسیم ہوتی گئی ویسے ویسے عورتیں
مردوں کے ماتحت ہوتی چلی گئیں اور آخر کار مکمل طور پر محکوم بن گئیں۔ عورتوں کو سماجی اور
ثقافتی کاموں سے ہٹا کر گھر اور خاندان کے کاموں میں لگا دیا گیا جبکہ ریاست اور کلیسا کی
بڑھتی ہوئی قوتوں نے بھی عورتوں کو یہی درس دیا کہ ان کی زندگیوں کا دائرہ ان کے گھروں
تک ہی محدود ہے اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی شکایت کیے بغیر خاموشی سے
اپنے شوہروں اور خاندان کی خدمت کرتی رہیں۔ عورت کے کمتر ہونے اور مرد کا اس پر
بالاتر ہونے کے ساتھ ساتھ نہ صرف عورتوں کو سماجی پیداوار میں اپنی سابقہ حیثیت گنوانی
پڑی بلکہ وہ بچوں کے پرورش کے قدیم اجتماعی نظام سے بھی محروم ہو گئیں۔

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ نچلے طبقے کی عورتیں ہمیشہ جدوجہد اور محنت کرتی
رہی ہیں۔ زرعی دور میں عورتیں کھیتوں میں محنت کرتی تھیں اور اسکے ساتھ ساتھ بچے بھی جنتی

Scanned by CamScanner

تھی جبکہ گھر کے دیگر کاموں کا بھی اسے سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن ایک اجتماعی سماج میں مشترکہ محنت اس محنت سے بہت زیادہ مختلف ہوتی ہے جو اپنے گھر میں کی جائے یا صرف اپنے خاندان میں کی جائے یا صرف اپنے شوہر کی خاطر کی جائے۔ سماجی پیداوار میں حصہ لینے سے ذہن اور جسم دونوں کی نشوونما ہوتی ہے جبکہ سماج سے کٹ کر اپنے انفرادی بیزار کن گھریلو کام میں محو ہو جانے سے ذہن اور جسم دونوں کی نشوونما سکڑ جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مرد اور عورت کے درمیان محنت کی تقسیم ہمیشہ سے ایک جیسی نہیں رہی ہے۔ طبقاتی سماج نجی ملکیت اور پدرسری نظام نے مردوں کی بالادستی پر مشتمل محنت کی جس تقسیم کو جنم دیا وہ عورتوں کے بڑے پیمانے پر استحصال اور نقصان کا باعث بنی۔

بچہ دانی کے نظریے اور ''ابدی خاندان'' جیسے خودساختہ اور مصنوعی افسانوں کو رد کر دینا چاہیے جن کے ذریعے عورتوں کی مظلومیت کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ اس سے محض سائنس اور تاریخ کی سچائیاں ہی اجاگر نہیں ہوتیں بلکہ اس سے عورت کی آزادی کی تحریک پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ مردوں کے بالاتر ہونے کے دعویداروں کا سب سے بڑا ہتھیار عورت کی جسمانی ساخت ہے، اگر اس بات کو بے بنیاد ثابت کر دیا جائے تو انکے پیروں تلے زمین نکل جائے گی۔ فطرتاً اپنی جسمانی ساخت کی وجہ سے عورت مرد کے مقابلے میں کسی بھی طور مجبور نہیں ہے۔ غیر طبقاتی سماج میں عورت کا مقام گھٹایا نہیں گیا بلکہ اسکے پیداواری اور نسل پیدا کرنے کے دُہرے کردار کے باعث اس کا احترام کیا جاتا تھا یعنی بدلتے ہوئے تاریخی حالات میں عورت کے مقام کو مختلف شکلیں دی گئی ہیں جس نے مدرسری مشترکہ سماج کی کایا پلٹ دی اور یہی عورت کے پسماندہ بن جانے کا سبب بنا۔ پدرسری طبقاتی سماج کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ عورت کی جسمانی ساخت کو بہانہ بنا کر اسے مسلسل سماجی و ثقافتی زندگی کے دائروں سے محروم کر کے محکوم بنا دیا گیا۔

صرف حقائق کا فہم و ادراک حاصل کر کے ہی عورتیں ان اسباب کو ختم کر سکتی ہیں

Scanned by CamScanner

جوان کی ذلت ومحکومیت کا باعث ہیں اور جس کی جڑیں سرمایہ دارانہ نظام میں پیوست ہیں۔
عورت کی آزادی کی جدوجہد اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ہم سماج اور نظام کی بجائے فطرت کو اپنی مظلومیت کا ذمہ دار سمجھتے رہیں گے۔

کچھ عرصہ قبل ایک مظاہرے میں عورتوں نے بینر اٹھا رکھا تھا جس پر لکھا تھا کہ ''جسمانی ساخت عورت کا مقدر نہیں ہے''۔

BIOLOGY IS NOT WOMANs DESTINY

عورتوں کی آزادی کی تحریک کا نعرہ بھی یہی ہونا چاہیے۔

Scanned by CamScanner

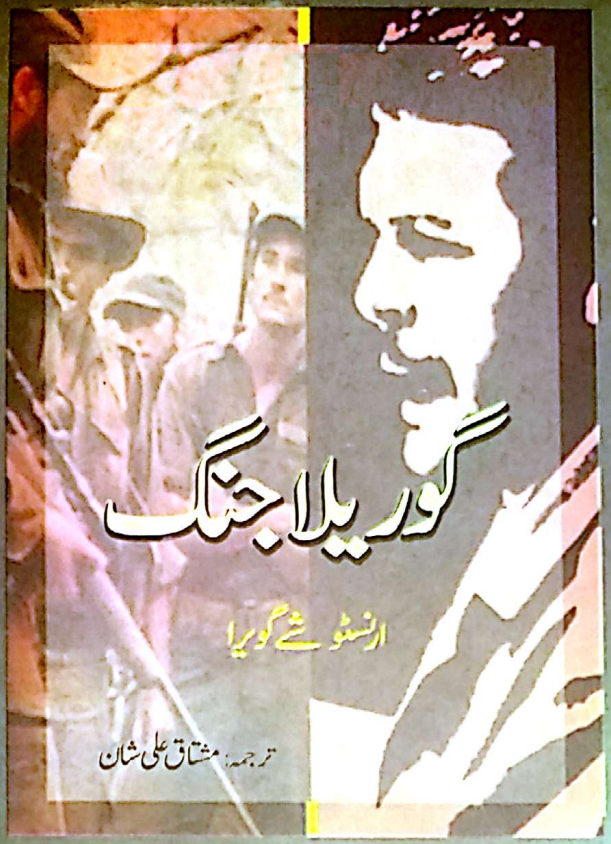

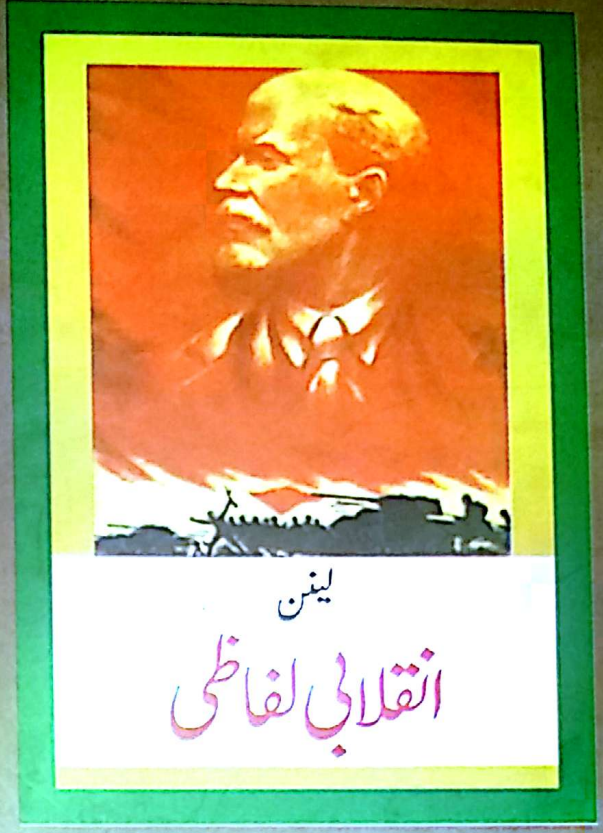

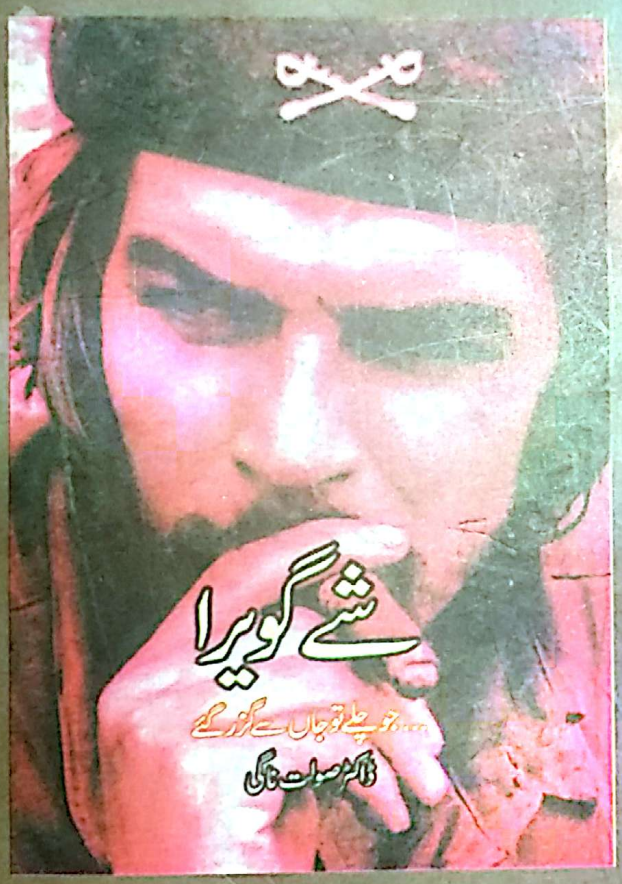

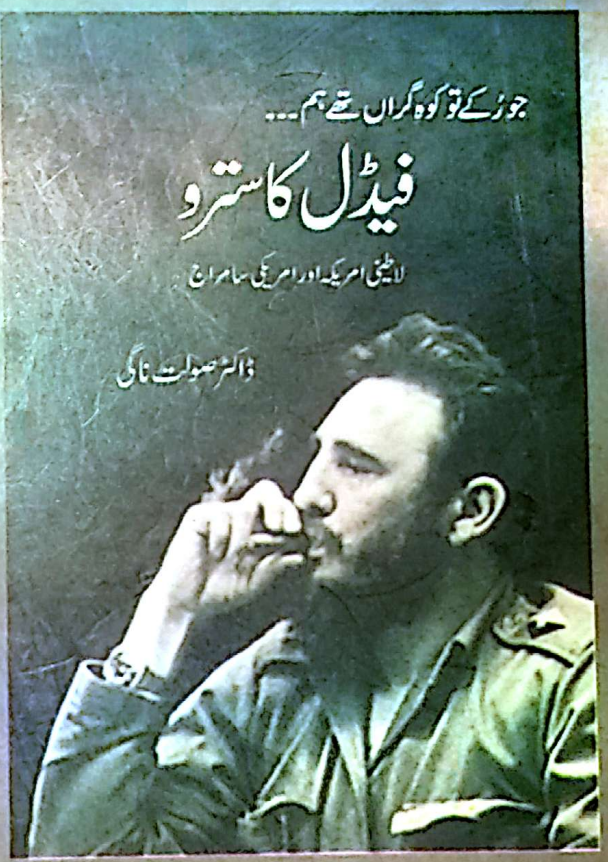

فکشن ہاؤس
لاہور • حیدر آباد • کراچی •
e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com
ISBN 978-969-562-277-3

Scanned by CamScanner